معارف

اگست ۲۰۲۱ء

مجلس دارالمصنّفین کا ماہوار علمی رسالہ

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ

سالانہ زرتعاون

ہندوستان میں سالانہ ۳۵۰/روپئے۔ فی شمارہ ۳۰/روپئے۔ رجسٹرڈ ڈاک ۵۵۴/روپئے

دیگر مما لک میں سادہ ڈاک ۱۷۳۰/روپئے۔ دیگر مما لک رجسٹرڈ ڈاک ۱۸۵۰/روپئے

ہندوستان میں ۵ سال کی خریداری صرف ۱۵۰۰/روپئے میں دستیاب۔

ہندوستان میں لائف ممبرشپ ۱۰۰۰۰/روپئے ہے۔

پاکستان میں ماہنامہ معارف کے لئے رابطہ کریں

HAFIZ SAJJAD ELAHI

196 - AHMAD BLOCK, NEW GARDEN TOWN

LAHORE (PUNJAB) PAKISTAN

Tel: 0300 - 4682752, (R) 5863609, (O) 7280916

Email: abdulhadi_133@yahoo.com

سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں۔

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMGARH

- زرتعاون ختم ہونے پر تین ماہ کے بعد رسالہ بند کردیا جائے گا۔
- معارف کا زرتعاون وقت مقررہ پر روانہ فرمائیں۔
- خط وکتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
- معارف کی ایجنسی کم ازکم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔
- کمیشن ۲۵ فیصد ہوگا۔رقم پیشگی آنی چاہئے۔

Email: shibli_academy@rediffmail.com, info@shibliacademy.org

Website: www.shibliacademy.org

Bank Name: Punjab National Bank - Heerapatti, Azamgarh

Account No: 4761005500000051 - IFSC No: PUNB0476100

✆ (Ma'arif Section) 06386324437

ڈاکٹر فخرالاسلام اعظمی (جوائنٹ سکریٹری رمنیجر) نے معارف پریس میں چھپوا کر

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی کا علمی و دینی ماہنامہ

معارف

جلد نمبر ۲۰۸ ماہ ذی الحجہ ۱۴۴۲ھ مطابق ماہ اگست ۲۰۲۱ء عدد ۲

فہرست مضامین

مجلس ادارت

(مرتبہ)

اشتیاق احمد ظلی
محمد عمیر الصدیق ندوی

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی
پوسٹ بکس نمبر: ۱۹
شبلی روڈ، اعظم گڑھ (یو پی)
پن کوڈ: ۲۷۶۰۰۱

شذرات

یونان بھی کیا ملک ہے، جغرافیہ میں رقبہ، آبادی، آمدنی جیسے پیمانوں کے اعتبار سے بہت چھوٹا لیکن انسانی تاریخ میں اساطیری شان کے لحاظ سے شاید نمایاں ترین ملکوں میں سے ایک، ارسطو، افلاطون، سقراط، بقراط، سکندر جیسے علمی و عالمی فاتحوں کی سرزمین، علوم معقولہ میں آج بھی روایتی طور پر وہی علوم زندہ ہیں جن کا اصل سرچشمہ اسی یونان کی سرزمین پر بتایا جاتا ہے، فلسفہ، منطق اور اصول شعر یا ادب کی بحث یونانی اقوال و دلائل کے بغیر مستحکم نہیں، حکمت تو گویا یونان کی میراث ہے، تشبیہ و استعارہ میں بھی یونان کی فرماں روائی کا یہ عالم کہ اردو کے ایک نقاد نے علامہ شبلی نعمانی کے متعلق یہ ڈرامائی جملہ کیا لکھا کہ خود شہرت کے آسمان پر ایک مستقل سیارہ بن گیا کہ علامہ پہلے یونانی تھے جو ہندوستان میں پیدا ہوئے، اس جملہ کی بلاغت کا یہ عالم کہ آج تک لوگ اس کے معنی و مفہوم کی غلام گردشوں میں عالم گردش میں ہیں، یونان موحد رہا ہوگا لیکن مشہور ہوا اپنے صنموں اور صنم تراشوں کی کثرت کے سبب، سنتے ہیں کہ کیوپڈ کی خدائی بھی یونان ہی میں تھی، بعد میں کھلا کہ اس خدا کا اعجاز تو اس کی کمان سے نکلا ہوا وہ تیر ہے جس کا نشانہ صرف دل ہے، اسی لیے کہنا پڑا کہ حضرت نوحؑ کے پوتے حضرت یونان کی یہ یادگار زمین بھی عجب ہے۔

یونان کے بارے میں ان سرسری معلومات کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ دنیا کو درپیش نہایت اہم مسائل جیسے جنگ، بھوک، اشیا کی گرانی، بے روزگاری، معیشت کے نام پر سرمایہ داری اور سرمایہ داروں کا بے محابا فروغ، تعلیم و صحت کی بنیادی ضرورتوں سے دنیا کی قریب ستر فیصد آبادی کی محرومی، قتل و غارت گری کے لیے نئے میدانوں کی تلاش، غرض مسائل اور مصائب کے طوفانوں اور سیلابوں میں ایک مسئلہ اور سامنے آ گیا، اس اضافہ کی شہرت جس لفظ سے ہوئی وہ بس ایک مہینہ پہلے تک گویا یونانی لغات میں گمنام تھا لیکن اب زبان زد ہر خاص و عام ہے، یعنی لفظ ”پیگاسس“ جاننے والوں نے اس کے معنی پردار گھوڑے کے بتائے کہ ہواؤں کے ذریعہ قوت کا یہ مظہر کہیں بھی پہنچ سکتا ہے اور وہ

جس طرح وہ دیکھ سکتا ہے وہ کسی زمینی مخلوق کے بس میں نہیں، پیگاسس سے زیادہ موزوں لفظ اس جادوئی آلہ کے لیے کیا ہوسکتا ہے جو موبائل فون کے ذریعہ انسانوں کی ہر پوشیدہ حرکت اور ہر حرف راز کی علت تک پہنچ سکے، جس کے ذریعہ ہر خلوت گاہ، جلوہ گاہ عالم بن جائے، جدید علم و معلومات کی دنیا کا ایک بڑا مسئلہ یہ بھی ہے کہ اس میں ہر گناہ، کار ثواب بنادیا جاتا ہے، سائنس کے ارتقا نے انسانیت کے تنزل کو غضب کی برق رفتاری دی، شہوات کی محبت انسان کے لیے پہلے بھی باعث زینت تھی مگر ہر فطری اور اخلاقی اصول کو جس طرح اپنے معانی کے برعکس بنادیا گیا وہ شاید دجل وفریب کے اسی دور کے لیے خاص ہے جس کی سنگینی اور ہلاکت خیزی سے ہر انسان دوست نے ہر دور میں آگاہ کیا، یہ کون سا سودائے جستجو سر میں سمادیا گیا کہ تانکنے جھانکنے کی لت یا لعنت تہذیب نو کی نعمت بن گئی، دوسروں کی ٹوہ میں لگنا اور راز ہائے سربستہ کو طشت از بام کرنا، یہ متمول اور طاقتور کے لیے جائز کیسے کردیا گیا، جاسوسی کے لیے کسی بھی تہذیب میں کوئی لفظ احترام نہیں مگر اب اسی آلہ جاسوسی کی یہ قیمت کہ صرف حکومتیں ہی اسے خرید سکتی ہیں، ہندوستان میں اب تک تہذیبی پاسداری قابل قدر شے تھی، مگر رام راج کا نام لے کر اس کے بالکل برعکس رویوں نے جس طرح جھوٹ، دروغ بافی، ناانصافی، غیر اخلاقی وغیر قانونی وسائل کے استعمال اور جمہوریت کے ہر روزن کو فسطائیت کی گندگی سے پاٹنے کا سلسلہ شروع کیا، اب اس میں پیگاسس کی شمولیت نے بجا طور پر ہر سنجیدہ، مہذب اور قانون کا احترام کرنے والے ہندوستانی کو بے چین کردیا ہے، جب یہ حقیقت سامنے آئی کہ اسرائیل کی کارگہہ فتنہ پرور میں تیار کیے جانے والے اس پردار گھوڑے کو صرف حکومتیں ہی خرید سکتی ہیں تو ابھی تک آزادی کی فضا میں سانس لیتے ہوئے ملک کے باشندوں کی سانسیں گویا رک سی گئیں، ان کے دل سے بے اختیار یہ صدا اٹھی کہ حکومت وقت کے بڑے ذمہ داروں کو اس کی وضاحت کرنا ہی چاہیے کہ اس کی خریداری اور پھر اس کے ناجائز استعمال کا خیال اصلاً کس کا ہے؟

اس موقع پر پھر یاد اس ''الکتاب'' کی باتوں کی آتی ہے، جہاں بظاہر ایک فرد کے لیے اخلاق احکام دہرائے گئے ہیں اور منفی اعمال جیسے اولاد کشی، حیا فروختگی، کمزوروں کا استحصال، ایک کا دوسرے سے تمسخر آمیز معاملہ، غائبانہ یا سر عام الزام تراشی، تجارت میں بے ایمانی، وعدہ خلافی اور معاہدہ شکنی اور

سب سے بڑھ کر تکبر اور قوت کا بے جا اظہار، یہ سارے عیوب افراد کی طرح قوموں کے وہ امراض ہیں جو جلد یا بدیر ہلاکت کا سبب بن جاتے ہیں، آج کی دنیا کی اخلاقیات نے جس دن سے تہذیب نو کے نام پر شاخ نازک پر آشیانہ بنانے کا جرم کیا اسی دن اہل بصیرت نے کہہ دیا کہ یہ آشیانہ ناپائیدار ہوگا اور یہ تہذیب خود اپنے ہاتھوں خودکشی کرے گی، پیگاسس نے اس آخری وقت کو اور بھی قریب کر دیا، پیگاسس کی ایجاد اور اب اس کے بڑھتے استعمال پر محض سیاسی صف آرائی کافی نہیں، انسانیت کے زوال کی رفتار کو مدھم کرنے کے لیے ایک بار پھر اسی طبقہ انسانیت کی ضرورت ہے جس کے ضابطہ حیات میں اخلاقی اقدار کا تناسب اس کے عبادتی اعمال سے کہیں کم نہیں، ہندوستانی مسلمانوں کے لیے آج سب سے بڑا مسئلہ اپنے سیاسی وجود کے ساتھ دوسرے باشندوں کے اخروی وجود کو محفوظ رکھنے کا بھی ہے، وہی حفاظت کی چاہت جو پیغمبر اعظمؐ کو جاں گسل لمحات سے دوچار کیے رہتی تھی، بات یونان کی ہو یا مصر و روما کی، اختتام، ذکر خاتم النبیینؐ ہی کا طلب گار ہے۔

قریب ایک ہفتہ ہوئے دارالمصنّفین میں اچانک ایران کلچرل ہاؤس کے ثقافتی نمائندے جناب سید علی زادہ موسوی تشریف لائے، ان کے ہمراہ اور ترجمان ایران کلچرل ہاؤس کے جناب سید صادق الحسینی اور مبارک پور کے ڈاکٹر سلطان حسن ترابی بھی تھے، ایرانی نمائندہ کی متبسم اور منکسر مزاج شخصیت نے زبان کی دشواریوں کا احساس بھی نہ ہونے دیا، جب ان کو معلوم ہوا کہ وہ ہند کے ایران صغیر میں اور شاہجہاں کی زبان میں ''ہمارے شیراز'' میں ہیں تو ان کی خوشی دیکھنے کے لائق تھی اور یہ خوشی دوبالا اس وقت ہوگئی جب شعر العجم کی پانچوں جلدوں کی جدید طباعتیں ان کی طبع نفیس سے ہمکنار ہوئیں، ورق کھلا تو یاد یار مہرباں آید ہمی اور بوئے جوئے مولیاں والی غزل سامنے تھی، گویا شبلی سامنے تھے، انہوں نے اپنے تاثرات میں علامہ کا ذکر شایانِ شان کیا اور دارالمصنّفین سے باقاعدہ سرکاری ربط وضبط اور افادہ واستفادہ کی بات کی، جب ان کو ناظم دارالمصنّفین پروفیسر اشتیاق ظلی صاحب کی علالت اور اب ان کے روبہ صحت ہونے کی خبر دی گئی تو انہوں نے ان سے گفتگو کرنے اور دارالمصنّفین سے علمی تعاون کے لیے کسی لائحہ عمل کا وعدہ کیا، یہ ملاقات مختصر تھی مگر مہمانوں کی سادگی اور اخلاص نے اسے یاد رکھنے کے قابل بنا دیا۔

مقالات

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ
کی تفسیری، حدیثی اور دیگر خدماتِ علمی پر ایک نظر

مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی ☆

(۳)

نسخۂ ندوۃ العلما لکھنؤ: ندوۃ العلما لکھنؤ میں بھی بستان المحدثین کا ایک نسخہ، ایک بڑے مجموعہ نسخ میں ہے اور مجلد ہے، اس میں حضرت شاہ ولی اللہ کی متعدد اور مختلف علما کی چند اور تصانیف بھی ہیں، یہ نسخہ مولانا عبدالحی حسنی رائے بریلوی، مؤلف نزہۃ الخواطر کا مملوکہ ہے، اس پر ان کے دستخط ہیں۔اس نسخہ میں عموماً فی صفحہ ۲۵ سطریں ہیں، رواں نستعلیق میں ہے، تحریر پختہ اور صاف ہے۔

مذکورہ نسخوں کے علاوہ راقم سطور کو بستان کے تقریباً بیس قلمی نسخوں کا علم ہے، لیکن ان میں ایک نسخہ بھی ایسا نہیں ہے جس کو کسی بھی پہلو سے خاص یا لائق توجہ کہا جا سکے۔سب سے قدیم نسخہ ہمدرد یونیورسٹی لائبریری تغلق آباد میں دیکھا تھا جو مصنف بستان شاہ صاحب کی وفات کے اٹھارہ سال بعد ۱۲۵۷ھ (۱۸۴۱ء) میں نقل ہوا تھا، میں نے برسوں پہلے یہ نسخہ منجملہ اور خطی کتابوں کے سرسری نظر سے دیکھا تھا، اس وقت معلوم کیا تو موجود نہیں لیکن ہمدرد کی مطبوعہ فہرست مخطوطات میں بستان کے ایک اور نسخہ کا اندراج ہے جو ناقص الآخر ہے اور کاتب یا سنہ کتابت کا بھی اندراج نہیں۔(٦٢)

بستان کے پانچ نسخے مولانا آزاد لائبریری علی گڈھ میں ہیں جس میں سے چار فرنگی محل کلیکشن (یعنی ذخیرہ حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی) میں ہیں، چاروں میں سے کسی نسخہ پر سنہ کتابت یا کاتب کا نام درج نہیں اور ایسا کوئی امتیاز بھی نہیں جس کا ذکر کیا جائے۔ایک نسخہ کے لیے خیال ہوتا ہے کہ اس کی تصحیحات اور حاشیے پر درج بعض جزوی اشارات حضرت مولانا عبدالحی کے قلم سے ہیں،

☆ E-mail: nhrashidkaandhalavi@yahoo.com

اگرچہ مولانا کے نام کی صراحت نہیں، لیکن حاشیوں کی تحریر حضرت مولانا کی معلوم ہوتی ہے۔ان نسخوں میں سے ایک نسخہ کے پہلے ورق پر مولانا عبدالحلیم انصاری کے دستخط ہیں، کچھ اور درج نہیں۔

بستان کا ایک اور نسخہ ذخیرۂ احسن مارہروی میں ہے جو بستان، طبع اول لاہور کی حرف بہ حرف نقل ہے اس لیے لائق التفات نہیں۔(۶۳)

ایک اور نسخہ رضا لائبریری رام پور میں ہے جو بظاہر قدیم نسخہ ہے، اس کے پہلے ورق پر ۱۲۴۵ھ(۱۸۲۹ء) لکھا ہوا ہے، مگر اس تحریر کی کوئی وجہ، کسی کا نام کچھ درج نہیں، آخر میں ترقیمۂ کاتب بھی موجود نہیں، اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ سرورق پر درج ۱۲۴۵ھ(۱۸۲۹ء) اس کتاب کے متعلق نہیں کسی اور چیز کی یادداشت ہے۔اس نسخہ میں بھی پہلے صفحہ کے علاوہ جس پر کسی قدر آرائش ہے کوئی بات قابل توجہ محسوس نہیں ہوئی۔یہ نسخہ ۲۲ دسمبر ۱۸۹۹ء کو رام پور کے کتب خانہ میں داخل ہوا تھا۔

پاکستان کی مختلف لائبریریوں، ذخیروں میں بھی بستان کے متعدد نسخوں کی موجودگی کی اطلاعات ملیں، مگر آج کل ایسے سخت حالات میں کہ وہاں خط و کتابت تو کیا موبائل پر رابطہ ایک مجرمانہ عمل شمار کیا جاتا ہے، تفصیلات کا دریافت ہونا مشکل ہے، تاہم جو کچھ معلوم ہے وہ پیش ہے۔

فہرست مشترک نسخہائے پاکستان میں ایسے دو نسخوں کا اندراج ہے جو گوجرانوالہ (پنجاب، پاکستان) میں تھے۔ان میں سے ایک ۱۲۸۳ھ(۱۸۶۶ء) کا مکتوبہ تھا اور دوسرا بھی اسی کے قریب کا تھا، پہلا نسخہ نصیر احمد صاحب کے ذاتی ذخیرہ میں، دوسرا شیخوپورہ گوجرانوالہ کے ہاشمی کتب خانہ میں تھا جس پر ۱۲۸۳ھ(۱۸۶۶ء) کی ایک مہر بھی ثبت تھی مگر اس وقت دونوں کا سراغ نہیں ملا۔(۶۴)

ایک نسخہ گنج بخش لائبریری اسلام آباد میں ہے، اس پر بھی سنہ کتابت تحریر نہیں، ایک اور سرگودھا کے مولوی فخرالدین صاحب کے ذخیرہ میں تھا، اس کے متعلق بھی کچھ زیادہ معلومات نہیں، ایک نسخہ پروفیسر محمود خاں شیروانی کے نادر ذخیرہ میں ہے(۶۵) لیکن ان تمام نسخوں کا جو تعارف پیش نظر ہے، اس کسی نسخہ کی ندرت، قدامت، اہمیت کا سراغ نہیں ملتا۔

بستان کی طباعتیں: ۱۔طبع اول لاہور، ۱۲۷۷ھ: اگرچہ شاہ صاحب کی تصانیف و رسائل کی طباعت کا ان کی زندگی میں آغاز ہو گیا تھا مگر بستان ان کتابوں میں شامل نہیں جو شاہ صاحب کی زندگی میں چھپ گئی ہوں۔

بستان، شاہ صاحب کی وفات کے تقریباً تینتیس سال بعد پہلی مرتبہ لاہور سے شائع ہوئی، جس پر مقام طباعت اور سنہ درج نہیں۔ سرورق پر صرف یہ الفاظ ہیں:

''باہتمام منشی محمد منیر و پرواٹر (کذا) مسٹر جیکب صاحب۔''

لیکن اس مطبع کی اور مطبوعات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ منشی محمد منیر صاحب کا پریس تھا۔ مثلاً ایک کتاب کامل التعبیر بھی اس مطبع سے چھپی تھی، جس کے سرورق پر صراحت ہے کہ:

''در مطبع ہوپ پریس لاہور باہتمام منشی محمد منیر صاحب طبع گردید۔''

کامل التعبیر کے سرورق پر سنہ طباعت ۷ محرم ۱۲۸۲ھ (۲ جون ۱۸۶۵ء) کی صراحت ہے اور آخری صفحہ (۶۷۳) پر مولانا غلام رسول (ساکن قلعہ مہیان سنگھ) کا فارسی میں منظوم قطعۂ تاریخ بھی ہے، ان ہی مولانا غلام رسول کا قطعہ تاریخ، بستان المحدثین (طبع ہوپ پریس) کے ص ۱۴۶ پر بھی آیا ہے، یہ مناسبت صاف کہہ رہی ہے کہ بستان المحدثین کی یہ سب سے پہلی طباعت بھی، منشی محمد منیر صاحب کے ہوپ پریس لاہور سے چھپی تھی۔

آخر میں مولانا غلام رسول کے دس شعروں پر مشتمل قطعہ تاریخ ہے، جس کے آخری مصرعہ میں درج فقرۂ تاریخ'' بگو سرسبز و تازہ بوستانے'' کے اعداد سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ طباعت ۱۲۷۷ھ (۶۱-۱۸۶۰ء) کی ہے۔ قطعۂ تاریخ طباعت یہ ہے:

باحوال اکابر خوش بیانے	زگلہائے فوائد گلستانے
شگفتہ جا بجایش لالہ وگل	بہر شاخش زبلبل داستانے
نسیمش جاں فزائے طالب دیں	عجب باغ و عجیبے باغبانے
جناب مولوی عبدالعزیز است	محدث دہلوی فردالزمانے
فلک پشتِ خمیدہ گشت جویان	نمی بیند زمثل او نشانے
ز اصحاب حدیث، اوکرد تحقیق	کہ گشتہ کور از ہر بدگمانے
بیا، اے شایق اتباع سنت	بجز چندین جمادی دادہ جانے
بطبعش احمد جامی مثاب است	بود از آفات درحفظ وامانے
بوصف ومدح او در ضمن تاریخ	خرد گفتا مرا، بعد از زمانے

بہ بے خبری کہ می پرسد کہ ایں چیست بگو! سرسبز و تازہ بوستانے

آخری مصرعہ کے تاریخ نما الفاظ کے اعداد کی تفصیل یہ ہے:

سر ۲۶۰۔سبز ۶۹۔و ۶، تازہ ۴۱۳۔بوستا ۴۶۹۔نے ۶۰ (حاصل اعداد: ۱۲۷۷ھ)

مقام طباعت کی آخر میں صراحت نہیں، یہ طباعت نسبۃً بڑی پیمائش (طول ۱۶/۲۷ جس میں تقریباً چار پانچ انچ کا حاشیہ چھوٹا ہوا ہے) کے ایک سو چھیالیس صفحات پر مشتمل ہے، فی صفحہ اکیس سطور ہیں۔

بستان کے ایک سے زائد قلمی نسخے اسی طباعت کی نقل ہیں، قطعۂ تاریخ کے آخری مصرعوں میں ہے کہ اس طباعت کے لیے احمد جامی نے کوشش کی ہے، لاہور سے بستان کی جو اشاعتیں ہوئیں وہ تقریباً سب ہی احمد جامی اور ان کے بیٹوں (فقیر اللہ اور عبدالعزیز) کی توجہ اور کوشش سے سامنے آئیں تھیں۔ احمد جامی کے دونوں بیٹوں کے دو الگ الگ پریس تھے، مطبع محمدی اور گلزار محمدی، دونوں سے بستان بار بار چھپی۔

مطبع محمدی کی طباعت پر فقیر اللہ، احمد جامی اور عبدالعزیز کا نام چھپا ہے، اس کے بعد مطبع گلزار محمدی کی طباعت بھی عبدالعزیز و عبدالرشید فرمائش سے آئی تھی۔

۲۔ مطبع محمدی، لاہور بلا سنہ: بستان المحدثین کی دوسری طباعت مطبع محمدی لاہور کی ہے، یہ طباعت بھی ابن احمد جامی، جناب عبدالعزیز و فقیر اللہ کی کوشش کا نتیجہ ہے۔

اس طباعت کی کتابت کسی قدر باریک قلم سے مگر صاف ہے، یہ ایک اچھی طباعت ہے جو ایک سو پینتیس صفحات پر مشتمل ہے، آخر کے دو صفحات (۱۳۵، ۱۳۶) میں فہرست مطالب بستان المحدثین ہے، آخری چار چھ سطروں میں حضرت شاہ عبدالعزیز کے احوال کے اشارات ہیں۔

۳۔ مطبع گلزار محمدی لاہور، بلا سنہ: یہ بھی عبدالعزیز و عبدالرشید صاحبان کی فرمائش پر چھپی تھی مگر اس کا خط اور طباعت ایسی عمدہ نہیں ہے جیسی مطبع محمدی کی تھی۔

اس طباعت میں فی صفحہ ۲۳ سطور ہیں اور یہ کل ۱۳۶ صفحات پر مشتمل ہے، ۱۳۵ اور ۱۳۶ پر فہرست مضامین بستان ہے اور بالکل آخر میں حضرت مصنف کے چند سطروں میں مختصر حالات ہیں، سنہ طباعت درج نہیں لیکن اس کی بڑی خوبی یہ ہے جو کسی اور طباعت میں نظر نہیں آئی کہ کتاب کے جو

اہم مضامین ومندرجات ہیں، حاشیے میں ف (فائدہ) کا اشارہ دے کر اس کے ضروری عنوانات و مباحث کا خلاصہ درج کر دیا ہے۔ایک اور بات یہ ہے کہ بستان میں شاہ صاحب کے مرتبہ جو عنوانات ہیں کتابوں کے نام یا خاص مصنّفین کے احوال حاشیے میں اسی عنوان کو کسی قدر جلی کر کے لکھ دیا ہے۔

۴۔دہلی،۱۲۹۳ھ: نصرت المطابع دہلی سے ۱۲۹۳ھ (۱۸۶۷ء) میں آئی تھی، یہ اشاعت نہایت کمیاب ہے،اس طباعت کے متعلق چند معلومات جناب ڈاکٹر عارف نوشاہی صاحب نے فراہم کی ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشاعت نواب محمد احمد خاں ابن نواب مہابت خاں والی جونا گڈھ کی فرمائش پر ۱۲۹۳ھ (۱۸۷۶ء) میں عمل میں آئی جو ایک سو چھبیس صفحات پر مشتمل ہے۔(۶۶) جناب ڈاکٹر عارف نوشاہی صاحب نے فارسی مطبوعات کی اپنی بڑی تصنیف (یا وسیع فہرست) میں بستان المحدثین کی تین اشاعتوں کا اور ذکر کیا ہے، یہ اشاعتیں میری نظر سے نہیں گذریں، ان کی معلومات جناب نوشاہی صاحب کے دلی شکریہ کے ساتھ پیش ہیں:

۵۔مطبوعہ لاہور: بستان المحدثین ۲۔۱۳۰۱ھ (۱۸۸۴ء) لاہور۔

۶۔مطبوعہ لاہور: بستان المحدثین ۱۱۔۱۳۱۰ھ (۱۸۹۳ء) لاہور۔

۷۔مطبوعہ لاہور: بستان المحدثین ۱۸۔۱۳۱۷ھ (۱۹۰۰ء) باہتمام فقیر اللہ وعبدالعزیز۔ لاہور (۶۷)۔

۸۔مجتبائی دہلی،۱۸۹۸ء: بستان المحدثین کی مقبولیت و پذیرائی ہمیشہ ہوتی رہی، اسی وجہ سے ہندوستان کے ایک بڑے طباعتی ادارہ مطبع مجتبائی دہلی نے بھی اس کو کم سے کم دو مرتبہ شائع کیا، مجتبائی کی پہلی اشاعت دسمبر ۱۸۹۸ء (رجب ۱۳۱۶ھ) کی ہے، یہ نسخہ ایک سو اکتیس صفحات پر مشتمل ہے، کتابت درمیانی ہے، فی صفحہ تینتیس سطریں ہیں، آخری صفحہ (۱۳۲) پر مطبع کی جانب سے کلمات معذرت ہیں کہ ہمارے سامنے جو نسخہ تھا وہ بہت غلط تھا، دوسرا (قلمی) نسخہ نہ مل سکا جس سے اس کی تصحیح کر لی جاتی، خود سے تصحیح عبارات ومعانی کی جو کوشش ہو سکتی تھی وہ کی گئی۔

”کتابت مستطاب بستان المحدثین مخفی نماند کہ نسخۂ اصل ایں کتاب بسیار غلط بود ونسخۂ صحیحہ از جائے دیگر میسر نیامد، لہٰذا حتی الامکان در تصحیح آں دقیقہ فرو نگذاشتم وسعی بلیغ را بکار بردیم۔

اما یک دو جا کہ از اختلاط عبارت وتبدل الفاظ صورتی دیگر پیدا شدہ بود وفہم معانی
ازاں دشوار بلکہ بغایت دشوار بود، بر مطابقت اصل اکتفا نمودیم۔ امید کہ صاحبان اولی
الابصار معذور داشتہ معاف فرمایند۔‘‘

۹۔ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۳۳۳ھ (۱۹۱۵ء): مطبع مجتبائی کی ایک اور طباعت رجب ۱۳۳۳ھ (جون ۱۹۱۵ء) کی ہے جو ۱۳۱ صفحات پر مشتمل ہے، اس کے آخری صفحہ پر ایک سطر کا مختصر خاتمۃ الطبع بھی درج ہے۔ لکھا ہے:

’’تمام شد کتاب بستان المحدثین تصنیف عمدۃ المفسرین، زبدۃ المحدثین، ذوالادب
والتمیز مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی۔‘‘

آخری صفحہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ طباعت، مجتبائی کی پہلی طباعت کی جوں کی توں نقل ہے جس میں کوئی ترمیم وتغیر نہیں کیا گیا۔

۱۰۔ جدید طباعت زاہدان، ایران: راقم سطور نے بستان کی اپنی مرتبہ پہلی طباعت (کاندھلہ ۱۴۳۷ھ/ ۲۰۱۶ء) کی تمہید میں لکھا تھا:

’’دارالعلوم زاہدان (ایران) کے ایک فاضل مولانا عبدالرحمن سلیمی خراسانی
نے بستان المحدثین کے فارسی متن کا متعدد نسخوں سے مقابلہ کرکے محقق نسخہ تیار کیا
ہے، اس کی روایات واطلاعات کی تخریج وتعلیق کی ہے، یہ نسخہ عمدہ فارسی ٹائپ پر
چھپ رہا ہے‘‘۔ (۶۸)

نسخۂ کاندھلہ کی طباعت کے ایک ڈیڑھ سال بعد، نسخۂ زاہدان سامنے آیا، اگرچہ اس میں خطی نسخوں سے مقابلہ وتصحیح کی بات تو نہیں لیکن عمدہ لائق توجہ اشاعت ہے۔

نسخۂ زاہدان ۴۳۸ صفحات پر مشتمل ہے، کمپوزنگ صاف ہے، ایران میں عمدہ طباعت کا ذوق ہے، یہ اشاعت بھی اسی کی نمائندگی وترجمانی کررہی ہے۔ استاد مولانا عبداللطیف ناروئی کی رہنمائی میں مولانا عبدالرحمن سلیمی کی تحقیق وتعلیق اور مقدمہ سے مزین پہلی بار تربت جام، انتشارات آوائے اسلام، ایران سے شایع ہوئی ہے، تاریخ طباعت کے لیے ایرانی سنہ ۱۳۹۵ درج ہے۔ ہجری یا عیسوی سنہ موجود نہیں۔ زاہدان کی یہ طباعت بستان المحدثین کی فارسی طباعتوں اور ترجموں میں بھی

ایک امتیاز رکھتی ہے۔

فارسی متن کی سب سے پہلی اشاعت کے وقت سے عصر حاضر تک طباعت زاہدان کو تصحیح متن اورضوابط املا و کتابت کی روشنی میں مرتب، پہلا نسخہ کہنا چاہیے۔

اگر چہ جناب مرتب نے اس نسخہ کی تصحیح وتدوین پر خاصی محنت اور توجہ کی ہے، مگر ان کی بنیادی کلیدی نسخوں تک رسائی نہیں ہوئی، عبدالرحمان سلیمی صاحب بستان کے صرف دو نسخے دستیاب ہوئے، ان میں سے ایک نسخہ سلیمی صاحب نے خطی خیال کیا ہے، (۶۹) مگر یہ رائے صحیح نہیں، موصوف نے اس نسخہ کے ایک صفحہ کا عکس اپنی طباعت میں شامل کیا ہے جس کی اصل نسخہ سے مراجعت کے بعد طے ہے کہ یہ خطی نسخہ نہیں بلکہ گلزار محمدی لاہور کی طباعت کا عکس ہے، اگر چہ اس طباعت پر سنہ طباعت درج نہیں مگر قیاساً ۱۳۰۷ھ کے بعد کی طباعت ہے، اس سے پہلے بستان المحدثین کم سے کم دو مرتبہ اور چھپ چکی تھی، سب سے پہلی طباعت لاہور کی ۱۲۷۷ھ کی ہے۔

ایرانی مرتب نے بستان کے اپنے سامنے موجود نسخہ کی جزوی تصحیح کی ہے، اس نسخہ کی کتابت و تحریر میں بعض فروگذاشتوں کی نشاندہی کی ہے، قدیم ہندوستانی اور موجودہ فارسی ایرانی طرز املا و کتابت میں جو فرق ہے اس کا خیال کرتے ہوئے نئے فارسی طریقہ اور ترتیب پر اس کو مرتب اور کمپوز کیا ہے، جس میں علاماتِ قرأت کا اہتمام ہے۔

اس طباعت میں ذیلی عنوانات لگائے گئے ہیں، تخریج روایات پر بھی کسی قدر توجہ رہی اور کتاب میں درج شخصیات کا تعارف کرایا گیا ہے، جس میں مولانا ڈاکٹر اکرم ندوی کے حواشی سے بھی خاصا استفادہ ہے اور مرتب کے قلم سے خاصے اضافے بھی ہیں۔

آیات قرآنی اور احادیث شریفہ کی عربی عبارات کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے، جس سے کتاب گویا مکمل ہوگئی ہے۔

اس دور میں ہندوستان میں فارسی لکھنے والوں کا معمول تھا کہ وہ درمیان عبارت میں بے تکلف عربی کلمات یا فقرے بھی لکھتے رہتے تھے، ایسا ہی شاہ صاحب نے بستان المحدثین میں بھی کیا ہے، ایرانی نسخہ کے مرتب نے ایسے تمام الفاظ اور فقروں کا بھی فارسی میں ترجمہ کردیا ہے۔

جن مقامات پر مرتب کو محسوس ہوا کہ یہاں وضاحت کی ضرورت ہے یا کچھ ضروری بات رہ

گئی ہے، اس کا قوسین میں اور کہیں کہیں بغیر قوسین کے بھی اضافہ کیا ہے۔

عربی اشعار پر اعراب لگائے ہیں اور حاشیہ میں فارسی ترجمہ دیدیا ہے۔

مرتب نے مطبوعات کے علاوہ پی ڈی ایف (PDF) کے نسخوں کا بھی حوالہ دیا ہے، مثلاً شاہ صاحب نے خطیب کی تاریخ بغداد کی ایک عبارت نقل کرتے ہوئے یونس بن عبدالاعلیٰ کے حوالہ سے امام شافعی کا فقرہ:

ما رأیت الدنیا وما رأیت الناس

نقل کیا ہے مگر عبدالرحمن سلیمی صاحب کی اطلاع ہے کہ شاہ صاحب نے جو الفاظ حضرت امام شافعی کے حوالہ سے نقل کیے ہیں، وہ نہ تاریخ بغداد کے مطبوعہ نسخہ میں ہیں نہ اس خطی نسخہ میں جس کا پی ڈی ایف سلیمی صاحب کے سامنے ہے۔ مگر اس اطلاع میں خود سلیمی صاحب کو مغالطہ ہوا۔ خطیب کی تاریخ بغداد کی پہلی طباعت اور شیخ بشار عواد معروف کی تحقیق سے جو نسخہ آیا ہے، دونوں میں بھی یہ روایت و عبارت موجود ہے۔ (۷۰)

عبدالرحمٰن سلیمی صاحب نے حواشی میں توازن و اعتدال قائم رکھا ہے، جن ائمہ، فقہا، محدثین کا بستان (مرتبہ مولانا اکرم ندوی) میں مناسب تعارف نہیں، ایسے موقعوں پر اہتمام سے لکھا ہے مثلاً مولانا اکرم نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کے اصول پر کچھ نہیں لکھا اور نہ اس کے لیے معتبر مراجع کی رہنمائی کی تھی، سلیمی صاحب نے ان دونوں ضرورتوں کے پورا کرنے پر توجہ کی، امام صاحب اور مسانید حضرت امام ابوحنیفہ کا تعارف لکھا ہے جس سے حضرت امام صاحب اور مسانید دونوں کے مقام و مرتبہ کا علم ہوتا ہے، فجزاہ اللہ تعالیٰ۔

آخر میں یہ بھی عرض کردینا چاہیے کہ عبدالرحمٰن سلیمی صاحب نے حضرت شاہ عبدالعزیز کے شروع میں جو حالات لکھے ہیں، اس میں بعض اطلاعات مشتبہ اور کمزور معلوم ہوتی ہیں، اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ کے احوال و خدمات کے لیے مزید کتابوں کا حوالہ ازبس ضروری تھا۔

شاہ عبدالعزیز نے بستان میں بعض جگہ مقامی اطلاعات اور دلّی کی بول چال کے الفاظ کسی بات کی تفہیم کے لیے لکھے ہیں، ظاہر ہے کہ جو دلی کا باشندہ نہیں ہے اور یہاں کی مقامی زبان کو نہیں جانتا اس کے لیے ان الفاظ کو سمجھ لینا مشکل ہی ہوگا، ایسا ہی ایک لفظ جس کو شاہ صاحب نے استعمال کیا

کٹرہ (ک،ٹ،ر،ہ) ہے، دلی میں ایسے بیسیوں مقامات ہیں جو کٹرہ سے مشہور ہیں، کٹرہ نیل وغیرہ، سلیمی صاحب نے اس کو کطرہ کردیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔

تاہم بحیثیت مجموعی سلیمی صاحب کا مرتبہ نسخہ بستان المحدثین کے اس وقت تک شائع نسخوں میں سب سے بہتر نسخہ ہے اور امید ہے کہ آئندہ اشاعتوں میں مزید بہتر اور زیادہ جامع و مفید ہو جائے گا۔

راقم سطور کو اس ایرانی نسخہ کے مطالعہ کا اس وقت موقع ملا جب بستان پر میرا کام مکمل ہو کر کمپوزنگ اور تصحیح کے مرحلہ سے گذر چکا تھا، آئندہ اس سے اخذ و استفادہ کی کوشش ہوگی۔ انشاءاللہ تعالیٰ!

بستان کے ترجمے اور ان کی اشاعتیں

پہلا اردو ترجمہ، مولانا عبدالسمیع دیوبندی: حاجی محی الدین صاحب سوداگر لشکر بنگلور نے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب، مہتمم دارالعلوم دیوبند سے بستان کے اردو ترجمہ کی خواہش کی تھی، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے اردو ترجمہ کے لیے دارالعلوم کے استاذ مولانا عبدالسمیع صاحب دیوبندی کو ہدایت کی، مولانا عبدالسمیع صاحب نے ہدایت کے مطابق اردو ترجمہ پر توجہ کی اور اس کو پورا کردیا۔ مولانا عبدالسمیع صاحب نے لکھا ہے:

> ”حمد و صلوٰۃ کے بعد یہ نیازمند بارگاہ رفیع، عبدالسمیع دیوبندی برادران اسلام کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ جب مصدر حسنات بیکراں جناب کے حاجی محی الدین صاحب نے بحر العلوم، وحید العصر، استاذی مولانا حبیب الرحمٰن صاحب متع اللہ بطول بقاۂ و أدام فیوض برکاتہ مددگار مہتمم دارالعلوم دیوبند سے بستان المحدثین کا ترجمہ اردو زبان میں کرانے کے لیے اپنی خواہش کو ظاہر فرمایا تو حضرت استاذی مدظلہ نے مجھ کو اس کام کے لیے مامور فرمایا، اگرچہ میں اس اہم امر کے لائق نہ تھا لیکن تعمیل ارشاد کو اپنا فخر سمجھا اور اس خیال کو پیش نظر رکھ کر کہ حق تعالیٰ اس کتاب سے مخلوق کو نفع پہنچائے، بامداد الٰہی سلیس عبارت میں اس کا ترجمہ کیا اور اس کا نام روض الریاحین رکھا“۔

مولانا نے اس ترجمہ کو روض الریاحین کے نام سے موسوم کیا تھا مگر اس نام کی شہرت نہیں ہوئی، یہ کتاب ترجمہ بستان المحدثین کے نام سے ہی مشہور ہوئی، اصل نام گویا مفقود ہے۔ اس ترجمہ کی تمہید

کی تاریخ تالیف ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ (یکم مارچ ۱۹۱۶ء) درج ہے۔ یہ ۱۳۳۴ھ (۱۹۱۶ء) میں مطبع قاسمی دیوبند سے شائع ہو گیا تھا۔

پہلی اشاعت کے سرورق پر یہ عبارت چھپی ہے:

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم إنما أنا قاسم واللہ یعطی،

الحمد للہ علی احسانہ. کتاب روض الریاحین

ترجمہ اردو (۱۳۳۴ھ۔۱۹۱۶ء)

بستان المحدثین

مصنفہ، جامع کمالات صوری ومعنوی، حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

مترجمہ

مجمع الفضائل والکمال، جناب مولانا مولوی عبدالسمیع صاحب دیوبندی

مدرس دارالعلوم، دیوبند

حسب فرمائش

جناب حاجی محمد محی الدین صاحب، سوداگر لشکر، بنگلور

باہتمام: جناب مولانا حبیب الرحمن صاحب، مالک مطبع

مطبع قاسمی دیوبند میں طبع ہوئی۔

تعداد طبع اول ۵۰۰ کاپی رائٹ محفوظ ہے قیمت فی جلد: ۱۲

مطبوعہ ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء کل ۲۱۶ صفحات

الحمد للہ کہ ترجمہ بستان المحدثین مطبع قاسمی دیوبند میں ۱۳۳۴ھ میں چھپ کر تیار ہوا۔

ترجمہ بستان۔نور محمد، کراچی کی اشاعت: ترجمہ بستان المحدثین کی ایک عمدہ صاف اشاعت نور محمد (اصح المطابع) کراچی کی ہے، اس کی کتابت طباعت پرانے نسخوں کی نسبت بہت صاف ستھری ہے، اس ترجمہ کی تصحیح ونظر ثانی مولانا بشیر محمد دہلوی نے کی، یہ طباعت سوا دو سو صفحات پر مشتمل ہے، سنہ طباعت درج نہیں۔

اس طباعت کا ایک عمدہ نسخہ میرے نہایت محسن اور کرم فرما جناب حافظ توفیق احمد صاحب

کیرانوی نے عنایت کیا تھا، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور اپنی خاص رحمتوں سے نوازے۔ مطبع نورمحمد کی اس طباعت سے کثرت سے استفادہ ہوا، اس کے عکس بار بار چھپتے رہے اور اب بھی شائع ہوتے رہتے ہیں۔

ترجمہ کی فارسی متن کے ساتھ ایک اشاعت: بستان المحدثین کا یہ اردو ترجمہ ایک مرتبہ فارسی متن کے ساتھ بھی چھپا ہے، یہ طباعت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی کی ہے مگر اس کے شروع میں تمہید، سنہ طباعت درج نہیں اور اس کی بھی وضاحت نہیں کہ یہ اشاعت کس طباعت کی نقل (Reprint) ہے یا خود ایچ ایم سعید نے اس ترتیب وطباعت کا اہتمام کیا ہے۔ یہ اشاعت تین سو باون صفحات پر مشتمل ہے، جس میں سے بالکل اخیر کے تین صفحات (۳۵۳-۳۵۰) میں مصنف بستان حضرت شاہ عبدالعزیز کے مختصر حالات ہیں۔ ناشرین نے مولانا عبدالسمیع کی عرض مترجم کو فہرست مضامین سے پہلے شامل کیا ہے جس کی کوئی معقولیت سمجھ میں نہیں آتی، کتابت وطباعت بہت اچھی نہیں، کاغذ متوسط ہے، جلد البتہ بہتر ہے۔

عربی ترجمے: بستان المحدثین کے عربی میں تین ترجموں کا مجھے علم ہے، جس میں پہلا ترجمہ مولانا اشفاق سلفی کا ہے، جس کی ڈاکٹر مولانا لقمان سلفی نے مراجعت ونظر ثانی کی ہے۔ یہ ترجمہ دار الداعی للنشر والتوزیع ریاض اور ہندوستان میں، جامعہ ابن تیمیہ، مدینۃ السلام (چندن بارہ، مشرقی چمپارن، بہار) سے صفر ۱۴۲۱ھ (مئی ۲۰۰۲ء) میں چھپا تھا، یہ طباعت فہرست کے صفحات کے ساتھ ۲۱۷ صفحات پر مشتمل ہے، یہ نسخہ سفید کاغذ پر نیلی روشنائی سے چھپا ہے، کمپوزنگ صاف ہے، دیکھنے میں اچھا معلوم ہوتا ہے، بظاہر اغلاط کتابت بھی کم ہیں۔

اگرچہ اس کے سرورق پر اور اندرون کتاب میں بھی "نقله من اللغة الفارسية إلى العربية" لکھا ہوا ہے مگر ترجمہ پر نظر ڈالنے سے خیال ہوتا ہے کہ اس ترجمہ میں فارسی متن سے زیادہ اردو ترجمہ (مولانا عبدالسمیع) سے استفادہ ہوا ہے۔ کہیں کہیں مختصر تخریج روایات واحادیث ہے اور بعض کتابوں (جن کا بستان میں تعارف ہے) کی نئی طباعتوں کے مرتبین، محققین اور ناشرین کی مجمل اطلاع بھی ہے، اگرچہ اس ترجمہ کی اشاعت کے بعد کئی سو کتابوں کی نئی طباعتیں نئی تحقیق وتعلیق کے ساتھ آ چکی ہیں، تاہم اس اشاعت کی اطلاعات بھی مفید ہیں۔

دنیا کے مشہور علمی ادارہ جمعۃ الماجد (دبئی) کے خبرنامہ المرکز کے شمارہ نمبر: ۴۲، شعبان ۱۴۳۶ھ (۲۰۱۵ء) کی اطلاع ہے کہ بستان کا ایک عربی ترجمہ معروف عالم اور محقق شیخ صبحی الصالح السامرائی نے کیا تھا لیکن شیخ سامرائی کے ایک فاضل شاگرد اور محقق عالم شیخ عادل یمانی مقیم قطر سے جو ہندوستانی علما کی خدمات اور بستان سے خوب اچھی طرح واقف ہیں، کا قول ہے کہ شیخ صبحی کا اس طرح کا کوئی کام نہیں ہے، شیخ عادل نے وہ ترجمہ کبھی دیکھا نہ اس کے بارے میں کبھی سنا۔

ایک اور عربی ترجمہ یا تلخیص مع تغیر و اضافات: عرب دنیا یا دنیائے اسلام میں، بستان المحدثین کے نام سے مطبوع و معروف ایک کتاب یا نیا ترجمہ وہ ہے جو مولانا ڈاکٹر اکرم ندوی صاحب اسلامک سینٹر آکسفورڈ نے کیا اور دار الغرب الاسلامی بیروت نے ۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۲ء میں شائع کیا۔ بستان کا کوئی اور عربی ترجمہ عموماً دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے اس ترجمہ کو خاصی پذیرائی ملی، بیروت سے طباعت و اشاعت کے بعد بستان کے انگریزی، بنگالی، ترکی ترجمہ کرنے والوں اور دوسرے لوگوں نے بھی اس عربی ترجمہ سے کثرت سے استفادہ کیا ہے، عموماً اس کا حوالہ بھی دیا جاتا ہے، میں بھی اس کا اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے اپنے کام میں اس کے حاشیوں سے کثیر فائدہ اٹھایا ہے اور ہمارا مرتبہ نسخہ بڑی حد تک اسی کے حواشی کی بنیاد پر ہے، لیکن علم خصوصاً علم حدیث کا حق کسی فرد اور تحقیق کے حق سے بالاتر ہے، اس لیے یہ عرض کرنے کی جسارت کر رہا ہوں کہ ڈاکٹر اکرم صاحب کا مرتبہ نسخہ حواشی کے لحاظ سے جس قدر بھی لائق توجہ ہو مگر اس کو موجودہ ترتیب کی روشنی میں بستان المحدثین کا مکمل حقیقی ترجمہ کہنا مشکل ہے۔

ڈاکٹر اکرم صاحب نے اس میں جو ترمیمات، تغیرات اور کمی زیادتی کی ہے، اس کی ترتیب کو جس طرح آگے پیچھے کر دیا ہے یا بدل دیا ہے اور اس میں جگہ جگہ سے شاہ صاحب کے افادات بلکہ سطریں نکال کر اپنی رائے اور متعلقات کا اضافہ کیا ہے وہ کسی طرح بھی درست نہیں، ایسی ترمیمات و تغیرات کے بعد اس کے سرورق پر "بترمیم و تغیر کثیر یا بہ تہذیب و ترتیب جدید" کی وضاحت بے حد ضروری تھی، جس صورت میں یہ ترجمہ چھپا ہے اس کو حضرت شاہ عبدالعزیز کی تصنیف بستان کا واقعی ترجمہ کہنا صحیح نہیں۔

شاہ صاحب نہ صرف برصغیر ہند (پاکستان، بنگلہ دیش، افغانستان) میں سلاسل حدیث بلکہ احیائے حدیث کے امام ہیں، حدیث کی ہر اک شاخ میں، ہر اک شعبہ میں، شاہ صاحب کے گہرے

اثرات اور خوشبو رچی بسی ہوئی ہے، ان ہی اثرات میں سے ایک بہت بڑا تحفہ بستان المحدثین بھی ہے، اس لیے اس کے ساتھ کوئی ایسا معاملہ جس سے اس کی علمی، استنادی حیثیت ذرا بھی متاثر یا کمزور ہو، غلط ہے۔اس لیے اس ترمیم وتغیر اور انحراف سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔

مولانا اکرم صاحب کے، ترجمہ بستان کے تغیرات وترمیمات اور اس کے مندرجات کو کتاب میں ادھر اُدھر کرنے کی تفصیل آئندہ صفحات میں آ رہی ہے، جس سے یہ فیصلہ کرنے میں مدد ملے گی کہ یہ کاوش مفید بے شک ہے مگر حضرت شاہ صاحب کی تالیف بستان المحدثین کے صحیح وکامل نسخہ کی واقعی ترجمان نہیں۔

عربی ترجمہ کے عنوان سے شائع پہلی طباعت باریک سفید کاغذ اور ۲۸۲ صفحات پر مشتمل ہے، جلد سادہ مگر جاذب نظر ہے، یہی طباعت میرے سامنے ہے، بعد کی طباعتوں کا مجھے علم نہیں۔

انگریزی ترجمہ: مولانا اکرم صاحب نے بستان پر جو کام کیا تھا اس کی خاصی پذیرائی ہوئی اور جلد ہی اس کو انگریزی میں بھی منتقل کر دیا گیا۔یہ انگریزی ترجمہ محترمہ عائشہ (Aisha Bewley) نے کیا تھا، اس کا نام اور عنوان اس طرح ہے:

The Garden of

the Hadith Scholars

Bustan al-Muhaddithin

IMAM' ABDAL-AZIZ AD- DIHLAWI(1159-1239 AH)

Translated from the persian into Arabic and annotated by

Mohammad Akram Nadwi

Translated from Arabic into English by Aisha Bewley

یہ ترجمہ لندن کے اشاعتی ادارہ، Turath Publishing کے اہتمام سے ۱۴۲۸ھ (۲۰۰۷ء) میں چھپا، جو ۳۵۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

یہ اشاعت کمپوزنگ، کاغذ، طباعت، سرورق، ہر پہلو سے قابل تعریف اور اعلیٰ عالمی، علمی معیاروں کے مطابق ہے جس میں ظاہری پہلو سے کچھ کمی محسوس نہیں ہوتی۔

اس کے سرورق اور اندرون کتاب میں صراحت ہے کہ یہ ترجمہ تمام تر مولانا اکرم صاحب ندوی کے ترجمہ پر مبنی ہے، اس اعتراف کی وجہ سے ڈر ہے کہ اس میں وہ تمام فروگذاشتیں بھی شامل ہوگئی ہوں گی جو ندوی صاحب کے ترجمہ میں ہیں۔

بنگالی ترجمے: بستان المحدثین کے بنگالی میں بھی کم سے کم دو ترجمے ہوئے ہیں، میں بنگالی سے واقف نہیں، اس لیے ان ترجموں کے تعارف کے لیے بنگلہ دیش کے ممتاز عالم اور محقق مولانا عبدالمالک صاحب کو زحمت دی تھی کہ بستان کے بنگالی ترجموں کی نسبت رہنمائی فرمائیں، مولانا مکرم نے جو کچھ تحریر کیا وہ یہ ہے کہ:

الف: پہلا ترجمہ جس کے شروع کا کچھ حصہ مولانا عبداللہ بن سعید جلال آبادی کا ہے اور باقی ڈاکٹر ابوبکر صدیق (سابق چیئرمین ڈھاکہ یونیورسٹی) کے نام سے چھپا ہے۔ یہ ترجمہ اسلامک فاؤنڈیشن وزارت دینیہ، بنگلہ دیش نے شائع کیا تھا جس کی پہلی طباعت جون ۲۰۰۴ء کی دوسری جون ۲۰۱۴ء کی ہے۔

ب: دوسرا ترجمہ، مولانا صدیق الرحمٰن (سابق پرنسپل مدرسہ عالیہ، شونا کاندا دارالہدی، کملّا) کا ہے۔ اس ترجمہ کو مکتبۃ الازہر ڈھاکہ نے چھاپا ہے، اس کی تصحیح مترجم کے بیٹے ڈاکٹر ابوبکر محمد زکریا نے کی ہے۔

اگرچہ ڈاکٹر ابوبکر محمد زکریا نے لکھا ہے کہ انہوں نے فارسی اور اردو ترجمہ دونوں کو سامنے رکھا ہے اور ڈاکٹر اکرم ندوی صاحب کے عربی ترجمہ سے بھی استفادہ کیا ہے اور ان کے مطابق یہ بنگلہ نسخہ مرتب کیا ہے لیکن یہ دونوں ہی ترجمے، بڑی علمی فروگذاشتوں سے پر ہیں۔

پہلے ترجمہ میں اسمائے رجال اور کتابوں کے ناموں میں بے شمار تصحیفات اور خطرناک تحریفات ہوگئی ہیں، اصطلاحات اور عبارتوں کے ترجمے میں بھی اغلاط کی کچھ کمی نہیں، کتابوں اور مصنّفین دونوں کے نام کثرت سے غلط لکھے ہوئے ہیں۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ غلطیاں مترجم سے سرزد ہوئیں یا کاتب اور کمپوزنگ کرنے والے کی ناواقفیت اور کم علمی کی وجہ سے ایسا ہوا۔ مثلاً:

"ابن فرحون کو ابن قرحون اور ابن فرحون کی کتاب کا نام الدیباج الموا حتّٰی

فی علما مذاھب (الدیباج المذھب فی علما المذھب) امام مالک کے شاگرد

اشھب کو اشھر، مُطرِفُ کو مَطَرَفُ، مُسنَد کو مَسْنَدُ، حِلیة الأولیاء کو حُلیة الاولیاء، ابن المنذر کی کتاب کتاب الاشراف فی مسائل الخلاف کو أشراف فی سمائل الخلاف لکھا ہے۔"

دوسرے ترجمہ میں اگرچہ کتابوں کے ناموں میں غلطیاں کم ہیں لیکن اس کی زبان بہت بوجھل اور سلاست سے عاری ہے جس کو پڑھ کر اس کے مفہوم کو سمجھ لینا بہت مشکل ہے۔ عبارتوں اور اصطلاحات کے علاوہ کتابوں کے ناموں میں بھی غلطیاں پائی جاتی ہیں۔ جیسے:

"اکمال المُعلِمُ کو اکمال المُعَلِّمُ، اللامع الدّراری کو اللامع الدُّراری، القَبَسُ کو القِبْس، المُنَاوِی کو المَنَاوی، ابومسلم الکجی کو ابومسلم کوجی لکھا ہے۔" (۷۱)

ایسے ہی:

"تکلموا فیه کا ترجمہ لغوی معنی کے لحاظ سے کیا، اسی طرح سکتوا عنه کا ترجمہ کیا، لوگ ان کے بارے میں چپ کر گئے۔" (۷۲)

ترکی ترجمہ: بستان المحدثین کا ترکی میں بھی ایک ترجمہ چھپا ہے مگر خاصی کوشش کے باوجود مجھے اس ترجمہ کا اجمالی تعارف بھی میسر نہیں ہوا۔

اردو ترجمہ کی محقق طباعت: بستان المحدثین کا کیا ہوا اردو ترجمہ مولانا عبدالسمیع دیوبندی کا ترجمہ ایسا مقبول و معروف ہوا کہ بعد میں فارسی طباعتوں کا سلسلہ ختم ہو کر یہی اردو ترجمہ اہل ذوق اور طلبہ کے سامنے رہ گیا تھا جو بار بار چھپتا اور پڑھا جاتا رہا۔ کثرت طباعت کی وجہ سے اس میں غلطیاں بھی ہوگئی تھیں اور اس کے مندرجات کی وضاحت و تفصیل کی بھی ضرورت محسوس ہو رہی تھی، مگر اس کی اشاعت پر سو سال گذرنے کے باوجود اس ضرورت اور کام پر توجہ نہیں کی گئی تھی۔ جب مولانا ڈاکٹر اکرم ندوی کا بستان کا عربی ترجمہ اور اس کے حواشی میری نظر سے گذرے تو خیال ہوا کہ اس کو بعض ترمیمات اور تصحیح و اضافات کے بعد اردو میں منتقل کیا جائے، اللہ نے کیا کہ اس ارادہ کے پورا کرنے کا موقع ملا، مولانا عبدالسمیع دیوبندی کے ترجمہ سے کامل استفادہ کے علاوہ اس کی فارسی طباعت سے جزوی تصحیح کی گئی اور مولانا اکرم ندوی صاحب کے تمام حوالوں، حاشیوں کی اصل کتابوں سے مراجعت کا اہتمام ہوا اور ایک نئی کتابت کے ساتھ اس نسخہ کو حضرت مفتی الٰہی بخش اکیڈمی (کاندھلہ، ضلع شاملی) سے جمادی الاولیٰ

۱۴۳۷ھ (فروری ۲۰۱۶ء) میں شائع کیا۔

اس محقق اشاعت کی پاکستانی طباعتیں: بستان المحدثین کی یہ اشاعت (مفتی الٰہی بخش اکیڈمی، کاندھلہ) اللہ کے فضل وکرم سے کچھ ایسی مقبول ہوئی اور اس کثرت سے پڑھی گئی کہ دس مہینے سے کم عرصہ میں ہندوستانی طباعت کے تمام نسخے (جو گیارہ سو تھے) نکل گئے، کتاب کی مانگ اور طلب جاری رہی، ہندوستان میں تو اس کتاب کو شائع کرنے کا جلد موقع نہیں ہوا لیکن پاکستان کے دو ناشرین نے اس کے عکس شائع کردیے۔ جس میں:

الف: غالباً پہلی طباعت ندوۃ المصنّفین لاہور کی ہے جو جمادی الثانی ۱۴۳۸ھ (مارچ ۲۰۱۷ء) میں سامنے آئی تھی، اس کا عکس ہماری ہندوستانی طباعت کے سائز سے کچھ کم کرکے لیا گیا ہے جو اچھا معلوم ہوتا ہے، جلد خوبصورت ہے، طباعت بھی صاف ستھری ہے، کاغذ بھی مناسب ہے۔

ب: دوسری طباعت مکتبہ رحمانیہ لاہور کی ہے جو حضرت مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کی طباعت کا جوں کا توں عکس (R-Print) ہے، سائز وغیرہ سب یہی ہے، سنہ طباعت درج نہیں، کاغذ ہلکا مگر مناسب ہے، جلد خوشنما ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ دونوں طباعتوں کی پاکستان میں بڑی پذیرائی ہوئی ہے اور غالباً اس کے بعد ایک جگہ سے اور بھی چھپی ہے، مگر اس کی تفصیلات مجھے معلوم نہیں۔ اگرچہ مذکورہ دونوں ناشرین نے نہ طباعت کی اجازت لی، نہ اشاعت کی اطلاع دی نہ اشاعت کے بعد کوئی نسخہ بھیجا اور نہ خود سے رابطہ کیا، مگر اس سے خوشی ہوئی کہ یہ کتاب چھپی اور قدردانوں کے ہاتھ میں پہنچی۔

فتاویٰ عزیزی: شاہ صاحب فقہ ائمہ اربعہ کی وسیع معلومات اور فتاویٰ کی تحریر میں فردِ فرید تھے۔ اگرچہ اس کی صراحت نہیں ملی کہ شاہ صاحب نے تحریر فتاویٰ کی خدمت کب شروع فرمائی تھی، بظاہر نوجوانی سے اس کا آغاز ہوگیا ہوگا، آہستہ آہستہ اس کا دائرہ اور اثر بڑھتا پھیلتا گیا، کچھ دنوں کے بعد شاہ صاحب کے شاگردوں اور متوسلین نے شاہ صاحب کے فتاویٰ کی نقلیں محفوظ رکھنے پر توجہ کی، یہ معمول شاہ صاحب کی وفات تک جاری رہا، اس اہتمام کی وجہ سے فتاویٰ شاہ عبدالعزیز کے متعدد چھوٹے بڑے مجموعے مرتب اور قلم بند ہوئے اور اس کی بھی معتبر شہادتیں ملتی ہیں کہ خود شاہ صاحب نے اپنے فتاویٰ کی بعض نقول یا چھوٹے مجموعے اپنے متعلقین کو مطالعہ اور استفادہ کے لیے عنایت فرمائے تھے۔

قدیم معتبر قلمی نسخے: ایک سے زائد اصحاب نے شاہ صاحب کے فتاویٰ کے چھوٹے بڑے مجموعے مرتب کیے۔راقم سطور کو فتاویٰ عزیزی کے جو قدیم اور معتبر نسخے معلوم ہیں ان میں سب سے پرانا مگر مختصر مجموعہ وہ ہے جو مولانا قاضی اطہر مبارک پوری کی اطلاع کے مطابق خود شاہ صاحب نے مولانا شیخ عبدالوہاب مبارک پوری کو عنایت کیا تھا۔مولانا قاضی اطہر مبارک پوری نے لکھا ہے کہ:

> ''میرے نانا مولانا احمد حسین رسول پوری کے خسر حضرت شاہ حافظ نظام الدین صاحب سریانوی مبارک پوری کے والد محترم حضرت شیخ عبدالوہاب صاحب یہاں سے پیدل دہلی جا کر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں کچھ دنوں رہے، واپسی پر خاندانی روایت کے مطابق شاہ صاحب نے ان کو اپنے فتاویٰ کا ایک مجموعہ یہ کہہ کر عنایت فرمایا کہ تمہارے دیار میں ان دنوں اہل علم کم ہیں، تم ان سے کام لینا اور خلق اللہ کی ہدایت کر کے ان کو شرک و کفر اور بدعات سے روکنا، یہ مجموعہ حضرت شیخ عبدالوہاب کی زندگی بھر ان کے پاس رہا، پھر ان کے صاحبزادے حضرت شاہ حافظ نظام الدین صاحب کو ملا اور انھوں نے خاندان کی دیگر کتب کے ساتھ اس مجموعہ کو بھی حضرت مولانا عبدالعلیم صاحب رسول پوری صدر مدرس مدرسہ چشمۂ رحمت غازی پور کو دے دیا اور کئی سال ہوئے اسے ان کے صاحبزادے مولانا عبدالباقی صاحب بی اے، ایل ایل بی، اعظم گڈھ نے مجھے عنایت فرمایا ہے۔ضرورت ہوگی تو اس مجموعہ پر ایک مستقل مضمون لکھا جا سکتا ہے۔اگر مولانا محمد منظور صاحب یا کوئی ادارہ اس کی اشاعت کا ذمہ لیں تو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے علوم کا مستند ذخیرہ عام ہوسکتا ہے۔(۷۳)

یہ نسخہ یا مجموعۂ فتاویٰ طول ۲۰، عرض ساڑھے تیرہ سینٹی میٹر ناپ کے ۱۶۹/ اوراق پر مشتمل ہے، فی صفحہ عموماً چودہ سطریں ہیں، نستعلیق کا متوسط قلم اور صاف تحریر ہے، آخر میں ترقیمہ کاتب یا کوئی ایسی علامت نہیں ہے جس سے اندازہ ہو کہ کس کا نقل کیا ہوا ہے، کب اور کہاں لکھا گیا تھا لیکن جگہ جگہ فتاویٰ کے آغاز پر شاہ صاحب کے نام کے ساتھ سلمہ اللہ تعالیٰ یا سلمہ العزیز موجود ہے، آخر میں ایک مختصر رسالہ احوال وفات نبوی (علیہ السلام) پر ہے، یہ بھی شاہ صاحب کی تالیف ہے۔یہ مجموعہ اب بھی اچھے

حال میں اور لائق استفادہ ہے، یہ نسخہ مولانا قاضی اطہر مبارک پوری نے کاندھلہ کے ایک سفر کے دوران چند اور اہم مخطوطات کے ساتھ ناچیز راقم سطور کو عنایت فرمادیا تھا، اس لیے اب میرے ذخیرہ میں محفوظ ہے۔

آئندہ سطور میں اس مجموعۂ فتاویٰ کے رسائل و مندرجات کی ایک فہرست دی جارہی ہے، جس سے اس کی اہمیت و معنویت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

فتاویٰ عزیزی

نسخہ عنایت کردہ شاہ صاحب میں موجود رسائل کے مندرجات

(عنوانات کے الفاظ اور ترتیب خطی نسخہ کے مطابق ہے)

نمبر شمار	مضامین	قلمی عطیہ حضرت شاہ عبدالعزیز	مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۳۲۲ھ	مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۳۴۱ھ
۱۔	رسالہ اصول مذہب ابی حنیفہ	ص:۳۵(الف)	ص:۶۲، جلد:۱	ص:۶۲
۲۔	رسالہ غنا	ص:۳۷(الف)	ص:۶۵، جلد:۱	ص:۶۵
۳۔	رسالہ بیع کنیزاں	ص:۳۸(الف)	ص:۶۷	ص:۶۷
۴۔	اعداد احادیث	ص:۴۰(الف)	ص:۵۱، جلد:۲	ص:۵۱، جلد:۲
۵۔	عددالروایات الصحابۃ	ص:۴۱(الف)	ص:۵۲، جلد:۲	ص:۵۲، جلد:۲
	رسالہ در علم معانی	ص:۴۲(ب)	موجود نہیں	موجود نہیں
	سوالات قبور وغیرہ در جناب الخ	ص:۴۶(الف)	ص:۸۸، جلد:۱	ص:۸۸، جلد:۱
	بیان ماخذ مذاہب ائمہ اربعہ	ص:۵۴(ب)	ص:۷۲، جلد:۱	ص:۷۲، جلد:۱
	بیان وحدت وجود و وحدت شہود	ص:۵۵(الف)	ص:۱۲۴، جلد:۱	ص:۱۲۴، جلد:۱
	دارالحرب شدن دارالاسلام	ص:۵۹(الف)	ص:۱۶، جلد:۱	ص:۱۶، جلد:۱
	شہادت مقدمہ باغ فدک	ص:۶۰(ب)	ص:۱۳۵، جلد:۱	ص:۱۳۵، جلد:۱
	معارج النبوۃ	ص:۶۴(ب)	ص:۱۳۸، جلد:۱	ص:۱۳۸، جلد:۱

مضامین	قلمی عطیہ حضرت شاہ عبدالعزیز	مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۳۲۲ھ	مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۳۴۱ھ
تکفیر خوارج وروافض	ص:۶۵(ب)	ص:۱۸،جلد:۱	ص:۱۸،جلد:۱
مسئلہ گاؤ سید احمد کبیر و گوسپند الخ	ص:۶۹(ب)	ص:۴۴،جلد:۱	ص:۴۴،جلد:۱
مسئلہ گرفتن سود از نصاریٰ	ص:۷۳(الف)	ص:۳۲،جلد:۱	ص:۳۲،جلد:۱
کیفیت اختلاف مذاہب اربعہ	ص:۷۴(الف)	ص:۱۳۹،جلد:۱	ص:۱۳۹،جلد:۱
مسائل ہبہ	ص:۷۷(الف)	ص:۲۵،جلد:۲	ص:۲۵،جلد:۲
مبعوث شدن آں حضرت (ﷺ) جہت ہدایت عالم الخ	ص:۷۹(الف)	ص:۱۳۱،جلد:۱	ص:۱۳۱،جلد:۱
کیفیت اوتار ہا در ملک ہند	ص:۸۱(الف)	ص:۱۳۳،جلد:۱	ص:۱۳۳،جلد:۱
بیان در شبہات بت پرستان	ص:۸۲(ب)	ص:۳۳،جلد:۱	ص:۳۳،جلد:۱
معنی حدیث أن تومروا علیا ولا لکم فاعلین	ص:۸۵(الف)	ص:۳۵،جلد:۱	ص:۳۵،جلد:۱
معنی حدیث ما منعك أن تسب أبا تراب	ص:۸۵(الف)	ص:۱۲۳،جلد:۱	ص:۱۲۳،جلد:۱
مسئلہ اراضی مصارف درگاہ وسجادہ نشینی	ص:۸۶(الف)	ص:۳۵،جلد:۱	ص:۳۵،جلد:۱
تحقیق متعلق آیۃ إن کنتن تردن الخ۔	ص:۸۸(ب)	ص:۴۰،جلد:۲	ص:۴۰،جلد:۲
رہن رہین باقرار بودن	ص:۹۱(الف)	ص:۳۷،جلد:۱	ص:۳۷،جلد:۱
استعمالِ آہنگ بر قبور	ص:۹۲(الف)	ص:۳۸،جلد:۱	ص:۳۸،جلد:۱
مسئلہ تقرر روزے بعد سالے برائے زیارت الخ	ص:۹۲(ب)	ص:۳۸،جلد:۱	ص:۳۸،جلد:۱

مضامین	قلمی عطیہ حضرت شاہ عبدالعزیز	مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۳۲۲ھ	مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۳۴۱ھ
اقرار غلامی بزرگان کہ نہ الخ	ص:۹۳(الف)	ص:۳۸،جلد:۱	ص:۳۸،جلد:۱
ذبح جانور بنام غیر اللہ	ص:۹۳(الف)	ص:۳۹،جلد:۱	ص:۳۹،جلد:۱
مسئلہ بیع انسان	ص:۹۳(ب)	ص:۳۹،جلد:۱	ص:۳۹،جلد:۱
مسئلہ خوردن درحالت جنابت	ص:۹۴(ب)	ص:۴۰،جلد:۱	ص:۴۰،جلد:۱
مکروہ بودن درازی پائجامہ الخ	ص:۹۴(ب)	ص:۴۰،جلد:۱	ص:۴۰،جلد:۱
مسئلہ طلاق	ص:۹۴(ب)	ص:۲۱،جلد:۲	ص:۲۱،جلد:۲
مسئلہ بردہ وکنیزاں	ص:۹۵(الف)	ص:۴۰،جلد:۱	ص:۴۰،جلد:۱
بیان حدیث: عن أبی رزین			
العقیلی رضی اللہ عنہ قال	ص:۹۵(ب)	ص:۷۹،جلد:۲	ص:۷۹،جلد:۲
بیان تکفیر وعدم تکفیر اہل قبلہ	ص:۹۶(ب)	ص:۴۰،جلد:۱	ص:۴۰،جلد:۱
آیات			
آیات وحدانیت باری تعالیٰ	ص:۱۰۲(ب)	ص:۲۷،جلد:۲	ص:۲۷،جلد:۲
دردفع تعارض روایتے	ص:۱۰۳(ب)	ص:۴۲،جلد:۱	ص:۴۲،جلد:۱
اعتراض طنز وطعن	ص:۱۰۵(الف)	ص:۸۰،جلد:۲	ص:۸۰،جلد:۲
اعتراضات ذابح غیر ناوی باشد	ص:۱۰۶(الف)	ص:۴۶،جلد:۱	ص:۴۶،جلد:۱
حال معراج علی اکثر الروایات	ص:۱۰۸(الف)	ص:۴۶،جلد:۱	ص:۴۶،جلد:۱
رسالہ شرح رویائے شاہ عبدالعزیز	ص:۱۱۲(ب)	ص:۷۶،جلد:۱	ص:۷۶،جلد:۱
مکتوبات درباب توحید وجودی وشہودی	ص:۱۱۸(ب)	ص:۷۶،جلد:۱	ص:۷۶،جلد:۱
مکتوب دیگر بمقدمہ وحدۃ الوجود	ص:۱۲۰(الف)	ص:۵۰،جلد:۱	ص:۵۰،جلد:۱
فضیلت اولاد شیخین واولاد	ص:۱۲۲(ب)	ص:۵۲،جلد:۱	ص:۵۲،جلد:۱
اعمام آں حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم)	ص:۱۲۴(ب)	ص:۵۳،جلد:۱	ص:۵۳،جلد:۱

مضامین	قلمی عطیہ حضرت شاہ عبدالعزیز	مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۳۲۲ھ	مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۳۴۱ھ
سوالات عشرہ کہ شاہ بخارا الخ	ص:۱۲۶(الف)	ص:۱۸۱،جلد:۱	ص:۱۸۱،جلد:۱
خلود کفار در نار و نجاۃ مؤمنین	ص:۱۳۱(ب)	ص:۹۶،جلد:۱	ص:۹۶،جلد:۱
صحابیؓ را طعن نباید	ص:۱۳۲(الف)	ص:۹۶،جلد:۱	ص:۹۶،جلد:۱
وجہ تکفیر از سب شیخینؓ	ص:۱۳۳(ب)	ص:۹۸،جلد:۱	ص:۹۸،جلد:۱
کیفیت طعن عائشہ	ص:۱۳۴(الف)	ص:۱۰۱،جلد:۱	ص:۱۰۱،جلد:۱
مسئلہ وحدت وجود	ص:۱۳۴(ب)	ص:۹۱،جلد:۱	ص:۹۱،جلد:۱
کیفیت تقلید مجتہدین	ص:۱۴۲(الف)	ص:۶۴،جلد:۱	ص:۶۴،جلد:۱
جواب سوال مولوی زاہد خاں شاہجہاں پوری	ص:۱۴۴(ب)	ص:۱۴۷،جلد:۱	ص:۱۴۷،جلد:۱
مسئلہ حکم اجرت حافظ قرآن	ص:۱۴۵(ب)	ص:۸،جلد:۱	ص:۸،جلد:۱
رسالہ در بین دوازدہ خلفاء	ص:۱۴۷(ب)	ص:۵،جلد:۱	ص:۵،جلد:۱
معنی آیۃ: وما أهل به لغير الله۔	ص:۱۵۱(الف)	ص:۵۵،جلد:۱	ص:۵۵،جلد:۱
رسالہ غنا	ص:۱۵۴(الف)	ص:۶۵،جلد:۱	ص:۶۵،جلد:۱
رسالہ بیع کنیزاں	ص:۱۵۶(الف)	ص:۶۷،جلد:۱	ص:۶۷،جلد:۱

(نوٹ: رسالہ غنا قلمی نسخہ میں مکرر ہے، ص ۱۳۷ اور رسالہ بیع کنیزاں بھی مکرر ہے، ص ۳۸۔)

ایک اور قدیم معتبر قلمی نسخہ: فتاویٰ حضرت شاہ عبدالعزیز کا ایک اور قدیم معتبر نسخہ کریم اللہ بن خلیل اللہ ڈار کا مکتوبہ و مرتبہ ہے، اس مجموعہ میں صرف حضرت شاہ عبدالعزیز کے فتاویٰ نہیں بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ ان کے چچا شاہ ابوالرضا محمد اور شاہ عبدالعزیز کے برادران عالی مرتبت شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر نیز شاہ محمد اسحاق، مولانا عبدالحی بڈھانوی، شاہ محمد اسماعیل شہید وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے فتاویٰ اور مکتوبات و رسائل شامل ہیں لیکن اس کا اکثر یا دو تہائی حصہ حضرت شاہ عبدالعزیز کے فتاویٰ اور مکتوبات پر مشتمل ہے۔ مرتب مجموعہ نے اس کی تمہید میں لکھا ہے:

”ایں خوشہ چیں خرمن ارباب دانش زلہ ربائے مائدہ فقیہان احکام شریعت

از بدو اشتیاق ادراک غوامض مسائل وتمنائے دریافت فتاویٰ مالا ینحل درسر داشت! و از خدمت فضلائے عصر وعلمائے دہر استفادہ می نمود۔ چنانچہ اکثر فتاویٰ از جناب معلی القاب محقق حقائق منقول ومعقول مدقق دقائق فروع واصول سر دفتر علمائے باتمیز جناب مولانا ومرشدنا حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی نوراللہ مرقدہ واکثر مسائل مشکلہ از حضرتنا مولانا تاج المتقین ، مقتدائے خاص سنن سیدالمرسلین حضرت مولوی عبدالحیٔ وابلغ البلغاء واکمل الکملاء، قامع اساس کفر وتضلیل مولانا محمد اسماعیل ادام اللہ تعالیٰ ظلالھما الی یوم التناد وقلع بیدھما بنیان الکفر والفساد ودیگر مفتیان متبحر وعلمائے باخبر کہ اکثر بزرگان ودوستان استفسار فرمودہ وجواب باصواب حاصل نمود، مطمئن شدہ بودند وپیش ہر یک منتشر و پراگندہ افتادہ بود، در سنہ یک ہزار دوصد وچہل ہجری فراہم آوردہ درسلک تحریر کشیدہ مدون ساختم۔

بامید آں کہ ایں اضعف عباداللہ کریم اللہ ولد خلیل اللہ ملقب بڈار کہ لفظ ڈار علامت روسائے شہر کشمیر جنت نظیر است، بایں وسیلہ بدل مقبلے عبور کند وحطور بر ضمیر صاحبدلے سرمایہ جمعت وحضور گردد وبر صفحۂ روزگار یادگار بماند وقاری وسامع جامع ایں مجموعۂ استفتار ابدعائے خیر یاد آرد"۔

اس مجموعہ کے مرتب کریم اللہ بن خلیل اللہ ڈار کشمیری تھے،حضرت شاہ محمد اسحاق سے بچپن سے گہرا تعلق رکھتے تھے،بعد میں ان کا شاہ محمد اسحاق کی نواسی سے نکاح بھی ہوگیا تھا،اس طرح وہ خاندان ولی اللٰہی کے ایک فرد بن گئے تھے۔ڈار نے اس مجموعہ کی تالیف وترتیب کا کام ۱۲۴۰ھ (۲۵-۱۸۲۴ء) میں شروع کیا تھا جو حضرت شاہ محمد اسماعیل کی شہادت ۱۲۴۶ھ (۳۱-۱۸۳۰ء) تک جاری رہا۔ یہ مجموعہ جو علم اور معلومات کا مخزن اور فتاویٰ وتحریرات کا عمدہ ترین مجموعہ ہے، فل اسکیپ کے پانچ سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے،اس کا عکس ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہے۔

مذکورہ دونوں نسخوں کے علاوہ، شاہ صاحب کے فتاویٰ اور رسائل کے متعدد اچھے نسخے ہند پاکستان کی لائبریریوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔ ایک نسخہ میں نے مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کے کتب خانہ میں دیکھا تھا، یہ عام کتابی سائز کی تین جلدوں پر مشتمل تھا، اندازاً ایک ہزار سے زائد صفحات ہوں گے،تحریر کسی قدر جلی اور صاف تھی، سند تحریر وکتابت یاد نہیں مگر مدرسہ صولتیہ کے ساتھ

ساتھ اب یہ نسخہ بھی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا ہے، ایک اور عمدہ نسخہ کا مولانا قاضی اطہر مبارک پوری نے اپنی تحریروں میں تذکرہ کیا ہے، ان کے علاوہ دس بارہ نسخے ہند پاکستان کی لائبریریوں میں موجود ہیں، ضرورت ہے کہ ان سب کو سامنے رکھ کر ایک جامع اور مکمل مجموعۂ فتاویٰ شاہ عبدالعزیز تیار اور مرتب کیا جائے۔ ہمارے یہاں موجود قلمی کتابوں خصوصاً مفتی الٰہی بخش کی بیاضوں اور تحریروں نیز مولانا نورالحسن کاندھلوی کی نقل کی ہوئی کتابوں میں بھی شاہ صاحب کے متعدد فتاویٰ منقول ہیں۔ (جاری)

حواشی

(۶۲) فہرست نسخہائے خطی فارسی، جامعہ ہمدرد، ص ۱۳ (ادارہ تحقیقات فارسی ایران، دہلی ۱۹۹۹ء)۔

یہاں یہ وضاحت مناسب ہے کہ ہمدرد دہلی کے ذخیرۂ مخطوطات میں ایک کتاب پر بستان المحدثین لکھا ہوا ہے اور اسی حیثیت سے اس کا تعارف بھی ہے، لیکن یہ بستان المحدثین نہیں، فقیہ ابواللیث سمرقندی کی بستان ہے، جو فقہ حنفی کی ایک مشہور تالیف ہے۔ (۶۳) فہرست مخطوطات ذخیرہ احسن مارہروی، مرتبہ: سید محمود حسن قیصر امروہوی، ص ۳۶، علی گڈھ ۱۹۸۳ء۔ (۶۴) فہرست مشترک نسخہائے خطی فارسی پاکستان، تالیف احمد منزوی، ص ۷۵-۴۷ جلد دہم، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء۔

میں نے ان دونوں نسخوں کے لیے مولانا عمار خاں ناصر صاحب مدیر الشریعہ گوجرانوالہ سے گذارش کی تھی کہ وہ اس میں کچھ رہنمائی اور تعاون کریں، مولانا سے جو کچھ معلوم ہوا اس سے افسوس ہوا کہ اس وقت یہ دونوں نسخے بلکہ یہ کتب خانے بھی بے نام و نشان ہو چکے ہیں۔ (۶۵) فہرست مشترک نسخہائے خطی فارسی، پاکستان، تالیف: احمد منزوی، ص ۷۵-۴۷، جلد دہم، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء۔ (۶۶-۶۷) کتاب شناسی - آثار فارسی چاپ شدہ در شبہ قارہ، تالیف: ڈاکٹر عارف نوشاہی، ص ۲۳۵۰، جلد چہارم، تہران ۲۰۱۲ء۔

کتاب شناسی ہندوستان میں دستیاب نہیں، اس کے متعلقہ صفحات کے عکس کے لیے مصنف کتاب، ڈاکٹر عارف نوشاہی صاحب کا ممنون ہوں، شکریہ۔ (۶۸) بستان المحدثین، اردو ترجمہ، مرتبہ: نورالحسن راشد کاندھلوی، ص ۳۸ (کاندھلہ ۱۴۳۷ھ/ ۲۰۱۶ء)۔ (۶۹) مقدمہ، ص ۱۰۔ (۷۰) تاریخ بغداد، ص ۴، جلد اول، دار الکتاب العربی، بیروت، تحقیق: شیخ بشار عواد معروف جلد اول، ص ۲۹۲، (دار الغرب الاسلامی، بیروت ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء)۔

(۷۱-۷۲) یہ اطلاعات محترمی مولانا عبدالمالک صاحب کے تعاون و شکریہ کے ساتھ پیش کی جا رہی ہیں، مولانا نے اس کے لیے اپنے ایک رفیق، مولانا سعید ابن مصدق حسین کو ہدایت کی تھی، یہ تحریر ان کی اطلاعات سے مستفاد ہے، جزاہما اللہ تعالیٰ۔ (۷۳) ہفت روزہ صدق جدید لکھنؤ، مدیر مولانا عبدالماجد دریابادی، شمارہ یکم ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ/ ۸ دسمبر ۱۹۷۳ء۔

اسلامی مدارس کا تسلسل اور ہندوستان کی پہلی دینی درسگاہ مدرسہ باقیات صالحات، ویلور

☆ڈاکٹر راہیؔ فدائی

دینی درسگاہیں دراصل سرچشمۂ علم وعرفان ہوتی ہیں، جسم وروح دونوں کی سیرابی کے لیے آبِ زلال انہیں سرچشموں سے حاصل ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ابتدائے اسلام سے لے کر تا قیامِ قیامت ان منابیع انوار کے تحفظ وتقدس کے اسباب مہیا فرمائے ہیں اور ''انّا نحن نزّلنا الذکر وانّا لہٗ لحافظون'' کا نہ صرف ازلی وابدی مژدہ سنایا بلکہ رودِ کوثر وتسنیم کی طرح ان چشموں کی پاکیزگی وشستگی کا بھی انتظام واہتمام فرمایا۔ تاریخ اس بات کی شاہد عدل ہے کہ تقریباً ڈیڑھ ہزار سال کی طویل ترین مدت گزرنے کے بعد بھی دنیا کے کسی بھی مدرسہ نے راہ راست سے اعراض نہیں کیا۔ یہی وہ علم وحکمت کی درسگاہیں ہیں جہاں سے مفسّر، محدّث، فقیہ، مدرس، متکلم، مناظر، صوفی، عابد وزاہد کے علاوہ امام وخطیب، مقرر ومحرّر وغیرہ مختلف طبقات کے ماہرین، قوم وملت کی خدمات کے لیے دستیاب ہوتے ہیں۔

چونکہ علم وعرفان کی حفاظت اور ایمانیات واعتقادات کی تعلیمی وتدریسی سرپرستی انہیں مدارسِ دینیہ کے ذمہ ہے، اسی لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے فوراً بعد مسجد نبویؐ کی تعمیر کے ساتھ ہی مدرسہ کا بھی افتتاح فرمایا۔ مسجد سے متصل حجرۂ مبارکہ کی پشت پر شمال کی جانب ایک کنارہ پر ''صفہ'' یعنی سایہ دار چبوترہ تیار فرمایا تا کہ تشنہ گان علم وعرفان یہاں قیام پذیر ہوں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک ومنور صحبتوں میں رہ کر دین کی تعلیم حاصل کرتے رہیں۔ یہی ''صفہ'' درحقیقت اسلام کا اولین مستقل مدرسہ تھا، جہاں طلبۃ العلوم کی تعلیم وتربیت کے نظم کے علاوہ ان کے

☆ہاؤس نمبر ۲۱۸، گراؤنڈ فلور، سکنڈ۔بی کراس، اایچ۔بی، فورتھ بلاک، بنگلور۔

خورد و نوش کا اہتمام بھی کیا جاتا تھا۔ اس مدرسہ صفہ میں طلبۃ العلوم کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ بقول علامہ شبلی نعمانی ''کل تعداد چار سو تک پہنچی تھی، لیکن کبھی ایک زمانے میں اس قدر تعداد نہیں ہوئی اور نہ صفہ میں اس قدر گنجائش تھی'' (سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم حصہ اوّل) مدرسہ صفہ کے تعلیم یافتہ گان میں اسلام کی جن عظیم شخصیتوں کے نام کتب حدیث میں دستیاب ہیں، ان میں سے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت صہیب رومیؓ، حضرت ابودرداءؓ، حضرت بلالؓ، حضرت سعد بن ابی الوقاصؓ، حضرت حنظلہؓ، حضرت حذیفہؓ ابن یمانؓ، وغیرہ اصحاب کرام قابل ذکر ہیں۔ (عہد نبوی کا نظام تعلیم، ص ۴۰)

چنانچہ صفہ کی درسگاہ سے چلا نورانی سلسلۂ درس و تدریس صحابہ کرام کے بعد، تابعین، تبع تابعین سے ہوتا ہوا محدثین و مفسرین اور فقہائے مجتہدین و علمائے راسخین کی مجالس و محافل کی زینت بن کر تا حال اقطاع عالم میں مربوط و مستحکم طور پر بفضلہٖ تعالیٰ جاری و ساری ہے۔ ان شاء اللہ یہ سلسلہ تا قیامِ قیامت جاری رہے گا۔ (۱)

اس ضروری تمہید کے بعد عالم اسلام کے بعض مشہور و معروف مدرسوں کا ذکر بے محل نہ ہوگا۔ عہد خلفائے راشدین میں مسجدوں ہی میں تعلیم و تعلم کا نظم ہوا کرتا تھا، جہاں معلمین و مدرسین کی تنخواہیں مقرر تھیں۔ بقول علامہ ابن جوزیؒ (متوفی ۵۹۷ھ) ان عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ و عثمان ابن عفان کانا یرزقان المؤذنین، والائمۃ والمعلمین (سیرۃ العمرین) یعنی حضرت عمر بن خطابؓ، عثمان ابن عفانؓ باقاعدہ مؤذنوں، اماموں اور مدرسوں کو مشاہرہ دیتے تھے۔

خلفائے راشدین کے بعد علم و عرفان کی شمعیں دنیا کے مختلف براعظموں کی تاریکیوں میں روشن کی گئیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام جہاں جہاں جلوہ گر ہوا وہاں وہاں حکمت و دانائی کی مبارک محفلیں آب و تاب کے ساتھ سج گئیں، مولانا ابوالحسنات ندوی (متوفی ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۴ء) کا بیان ہے کہ:

> ''مسلمانوں کے ایک ہاتھ میں فتح و نصرت کی تلوار اور دوسرے میں علم و فن کا چراغ تھا، جو ملک ان کے زیر نگیں آیا وہاں انہوں نے فضل و کمال کی بزم چراغاں برپا کی............ یہ جہاں پہنچے وہاں کے زمین و آسمان کو بدل دیا۔ اندلس کی سرزمین میں تہذیب و تمدن کی روشنی پھیلائی کہ مغرب کا ظلمت کدہ روشن ہوا، مصر، طرابلس،

الجزائر، مراقش اور قیروان کے افریقی وحشیوں کو تعلیم دے کر فضل وکمال کی معراج پر پہنچادیا، ایران کو مشرق میں علوم وفنون کا سرچشمہ بنادیا۔"(۲)

ان عظیم الشان مدارس کی مکمل سرپرستی حکومتِ وقت کررہی تھی، ان درسگاہوں میں قیام وطعام کی سہولتوں کے ساتھ سینکڑوں تشنگان علم سیراب ہوتے تھے۔ چنانچہ جامعہ ازہر (مصر) مدرسہ ست الشام (دمشق)، مدرسہ مادرشاہ (اصفہان)، مدرسہ نظامیہ، مدرسہ مستنصریہ (بغداد)، مدرسہ بروسہ (روم)، جامعہ قرطبہ (اندلس)، جامعہ زیرک (قسطنطنیہ)، مدرسہ سلطان محمد فاتح، استنبول (ترکی)، مدرسہ مجدیہ (شیراز)، مدرسہ بیہقیہ (نیشاپور)، وغیرہ جامعات آج کی مشہور زمانہ یوروپ کی یونیورسٹیوں سے وسیع وعریض ہونے کے علاوہ مختلف علوم وفنون کی تعلیم گاہیں تھیں۔ علامہ شبلی نعمانیؒ کی تحقیق کے مطابق عالم اسلام کی اولین جدید یونیورسٹی "المدرسۃ البیہقیہ" ہے، جہاں امام غزالیؒ کے استاذ امام الحرمین عبدالملک بن امام عبداللہ جوینی نیشاپوری (ولادت ۴۱۹ھ وفات ۴۷۸ھ) نے تعلیم حاصل کی تھی، (۳) یہ اور بات ہے کہ مدرسۂ نظامیہ بغداد اس وقت عالم اسلام کا بہت بڑا دارالعلوم تھا جس کو سلطان الپ ارسلان سلجوقی (متوفی ۴۶۵ھ) کے وزیراعظم نظام الملک طوسی (متوفی ۴۸۵ھ) نے دولاکھ دینار کے صرفے سے تعمیر کرایا تھا۔ اس عظیم الشان دارالعلوم کا خرچ سالانہ ۱۵/لاکھ دینار تھا۔(۴)

ہندوستان کی جنوب سرزمین جس کو ملیبار ومعبر کے نام سے تاریخ یاد کرتی ہے، جہاں سے عرب تاجروں کی اسلام سے پیشتر بھی آمدورفت رہی ہے، جب اسلام کا ورود مسعود حضور اکرم ﷺ کے حین حیات ان علاقوں میں ہوا تو حضرات صحابہؓ وتابعین کرام کے گروہ کے گروہ ملیبار ومعبر (کیرل اور ٹمل ناڈو) کے سواحل پر آ کر آباد ہوگئے۔ راقم الحروف نے ملیبار کے علاقے اِچی لنگوڈ (Ichilingode) ضلع کاسرگوڈ میں آسودۂ خاک حضرات صحابہ کے مزارات کی زیارت بھی کی اور ذمہ داروں سے درخواست کرکے ان کے اسناد بھی دیکھنے کا شرف حاصل کیا، علاوہ ازیں مشہور مؤرخ محمد قاسم فرشتہ (متوفی ۱۰۱۷ھ) نے بطور اصح الروایات تحریر کیا ہے کہ ملیبار کا راجا زیمور (بھاسکر روی ورما) جن کا لقب "چیرامن پیرمل" تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اقدس میں پہنچ کر مشرف بہ اسلام ہوئے، جنھیں تاریخ میں "عبداللہ سعدری" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔(۵) غرض ملیبار ومعبر میں قائم شدہ مسجدوں کی تعلیم گاہوں کا نظم صدیوں سے آج تک جاری ہے اور مقامی زبان میں ان درسگاہوں کو

’’پلّی درس‘‘ کہا جاتا ہے۔مشہور سیاح ابن بطوطہ نے بھی اپنے سفرنامہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔(۶)

شمالی ہند میں قیام مدارس کی ابتدا فاتح سندھ محمد بن قاسم (۹۳ھ تا ۹۶ھ) کے دور اقتدار میں ہونا قرین قیاس ہے۔چونکہ سندھ کے حاکموں میں سے دوسری صدی ہجری کی ابتدا میں حکم بن عوانہ کلبی،عمرو بن قاسم نے بالترتیب نئے شہر محفوظہ اور منصورہ آباد کیے تھے۔لہٰذا قیاس یہی کیا جاتا ہے کہ ان نو آباد بستیوں میں مساجد کے ساتھ دینی درسگاہوں کی تعمیر بھی ہوئی ہوگی،مگر اس قیاس کے برخلاف مولانا ابوالحسنات ندوی کی تحقیق ہے کہ ’’گو ہندوستان (شمالی ہند) میں مسلمانوں کا داخلہ پہلی صدی ہجری کے آخر میں ہوا۔لیکن یہ داخلہ پورے ہند پر مؤثر نہیں تھا،صحیح معنوں میں اسلامی حکومت کے قدم سرزمین ہند (شمالی ہند) میں سلطان محمود غزنوی (۳۸۷ھ تا ۴۲۱ھ) کی مجاہدانہ مساعی کی بدولت جمے،اسی لیے اس وقت سے اسلامی حکومت کا آغاز سمجھنا چاہیے۔(۷)

عہد محمودی کا یہ کارنامہ ہے کہ چوتھی صدی ہجری کے اواخر اور پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں پورے شمالی ہند میں مدارس و جامعات کا جال بچھا دیا گیا،جس کی وجہ سے جا بجا علم و حکمت کی نورانی محفلیں سج گئیں،مگر یہ جو کچھ ہوا حکومت وقت کی سرپرستی میں ہوتا رہا۔ان عظیم درسگاہوں میں طلبۃ العلوم کے لیے مکمل قیام و طعام کے بہترین انتظامات تھے۔

محمود غزنوی کے ڈیڑھ سو سال بعد سلطان شہاب الدین غوری (مقتول ۶۰۲ھ مطابق ۱۲۰۶ء) نے سنہ ۵۸۷ھ میں اجمیر فتح کیا تو اس نے اجمیر میں مسجدوں کی تعمیر کے علاوہ مستقل مدرسے بھی قائم کیے۔بقول مصنف ’’قدیم درسگاہیں‘‘ (مذکورہ حقائق کی روشنی میں) یہی مدرسے ہندوستان (شمالی ہند) کے قدیم مدارس ہیں۔(۸) علاوہ ازیں شہاب الدین غوری کے سپہ سالار قطب الدین ایبک نے دہلی میں ایک عالیشان مسجد بنام ’’قوۃ الاسلام‘‘ تعمیر کی،جس کے متصل ایک عظیم الشان مینار ’’قطب مینار‘‘ بنایا گیا۔اس دور میں یہاں بھی ایک دارالعلوم قائم تھا جو حکومت کے ظل عاطفت میں بحسن و خوبی جاری تھا۔اسی سلطان نے اپنے محسن سلطان معزالدین محمد ملقب بہ شہاب الدین غوری کے نام سے ایک بہت بڑا دارالعلوم ’’مدرسہ معزیہ‘‘ کے نام سے جاری کیا،حضرت نظام الدین اولیاؒ کے ملفوظات ’’فوائد الفواد‘‘ میں بھی اس مدرسہ کا ذکر موجود ہے۔(۹) علاوہ ازیں گجرات کے سلاطین میں سے سلطان احمد شاہ (متوفی ۸۴۶ھ) جو خدا ترس اور دیندار حکمران تھا۔اس نے اپنے دورِ اقتدار میں

دریائے سابرمتی کے کنارے احمد آباد شہر بسایا جس میں عظیم الشان مساجد و مدارس کی داغ بیل ڈالی تھی، اسی طرح علامہ مجد الدین محمد طاہر پٹنی (متوفی ۹۸۶ھ) نے اپنے ذاتی سرمایہ سے ایک دار السلام قائم فرمایا تھا جو آج بھی پٹن میں موجود ہے۔ راقم کو اس کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضرت طاہر پٹنی کے بعد علامہ وجیہ الدین (متوفی ۹۹۸ھ) ابن شیخ نصر اللہ علوی گجراتی نے بھی اپنا خانگی مدرسہ جاری فرمایا، جہاں آپ ۶۵ سال خدمت تدریس میں مصروف رہے۔

ان تاریخی حقائق سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ سینکڑوں سال تک عالم اسلام میں جو مدارس قائم ہوئے ان میں سے اکثر و بیشتر سلاطین، امرا و وزرا کے زیر نگرانی جاری رہے۔ البتہ بعض مدارس کا قیام اس دور کے علما و فضلا کی قیام گاہوں اور خانقاہوں کا بھی مرہونِ منّت رہا ہے۔ ان جامعات، مدارس اور درس گاہوں کی شاہی سرپرستی کی وجہ سے مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبۃ العلوم ایک مخصوص طبقہ کے افراد تھے، یہی صورتِ حال دکن کے بہمنی سلطان محمد شاہ بہمنی (متوفی ۸۸۷ھ) کے وزیر اعظم خواجہ عماد الدین محمود گاواں شہید (شہادت ۸۸۶ھ) تلمیذ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ) کے شہر بیدر میں قائم کردہ "مدرسہ محمود گاواں" کی تھی۔ یہ مدرسہ سہ منزلہ عمارت میں چل رہا تھا، جس کے آثار آج تک شہر بیدر میں موجود ہیں۔ خواجہ محمود گاواں صبح سے شام تک امور سلطنت میں مصروف رہنے کے بعد شب میں خود خدمت تدریس میں منہمک ہوجاتے تھے۔ مدرسہ کے جملہ مصارف بشمول طعام و لباس طلبہ و مشاہرۂ اساتذہ خواجہ محمود گاواں اپنے صرف خاص سے ادا کرتے تھے۔ انہوں نے اس مدرسہ کے لیے علامہ عبدالرحمٰن جامیؔ (۸۹۸ھ) اور علامہ جلال الدین دوّانی (متوفی ۹۱۸ھ) کو شہر بیدر تشریف لانے کی دعوت دی تھی، مگر ان بزرگوں نے ذاتی مجبوریوں کی وجہ سے معذرت کردی، یہ مدرسہ ہندوستان کی اولین اسلامی یونیورسٹی کہلانے کا مستحق ہے، جہاں تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، کلام، منطق، ہندسہ، ریاضی، معانی، بیان، بدیع کے علاوہ عربی و فارسی ادبیات کی تعلیم دی جاتی تھی۔ یہ مدرسہ محمود گاواں کی شہادت کے بعد بھی صدیوں جاری رہا۔ جب عالمگیر اورنگ زیب (متوفی ۱۱۱۸ھ) کا اقتدار دکن پر مستحکم ہوگیا تو بادشاہ نے اس وقت کے جید عالم و صوفی امام المدرسین علامہ محمد حسین (متوفی ۱۱۰۸ھ) بن حضرت میراں عبدالقادر بیجاپوری کے ہاتھ میں مدرسہ کے نظم و نسق کی باگ ڈور تھمادی۔ (۱۰)

اسی طرح حیدرآباد کے قلب میں قائم شدہ ایک اور مدرسہ اپنی عظمت وسطوت کا آج بھی گواہ ہے۔ یہ مدرسہ ''چار مینار'' کے نام سے چار سو سال سے اپنے حسن و جمال اور دلکشی کے سبب سب کو اپنی طرف متوجہ کر رہا ہے۔ سلطان محمد قلی قطب شاہ (۹۸۸ھ تا ۱۰۲۰ھ) نے سنہ ۱۰۰۰ھ میں ''چار مینار'' کی تعمیر کرائی اور اس کے اوپری منزل میں مسجد اور مدرسہ بنوایا اور یہ زمانۂ دراز تک جاری رہا۔

ہندوستان میں مدارس دینیہ کی نشاۃ ثانیہ: زوال سلطنت مغلیہ کے بعد ہندوستان پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا قبضہ ہونے لگا تو جنوب کے علمائے کرام نے اپنے داعیانہ مزاج کے عین مطابق نئے حکمرانوں کے ساتھ ایک گونہ ہم آہنگی پیدا کر لی تھی، جس کے نتیجے میں ان حکمرانوں سے مروت و اخلاق کا برتاؤ ہونے لگا اور ہر طرح کی معرکہ آرائی سے گریز کیا گیا، جب انگریز حاکم اپنے انتظامی مصالح کے تحت علمائے کرام کی بارگاہوں اور صوفیائے صافیہ کی خانقاہوں پر حاضری دیتے تو یہ بزرگ اپنے مکارم اخلاق کا ثبوت دیتے ہوئے کشادہ قلبی اور وسیع النظری سے ان حاکموں کا استقبال کیا کرتے۔ اس بلند کرداری کا مثبت اثر یہ رونما ہوا کہ مذکورہ حکمراں ان حضرات کے علمی و اشاعتی کاموں سے صرف نظر ہی نہیں کرتے بلکہ اشاعت دین و دعوت حق کے معاملے میں خود بھی معاون و مددگار بن جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ شمالی ریاستوں کے مقابلے میں جنوبی صوبوں میں انگریزوں کے تسلط کے باوجود تبلیغ دین و اشاعت شرع متین کی رفتار بہت تیز رہی۔ یہی سلسلہ اس دور فتن میں بھی کسی نہ کسی حد تک جاری وساری ہے۔

یہ صحیح ہے کہ شمالی ہند کے حالات کے مطابق وہاں کے اہل علم وفضل نے براہ راست حکومت وقت سے مقابلہ آرائی کا فیصلہ فرمایا تھا، جس کی وجہ سے وہ مسلسل سرگرم کارزار رہے۔ اور اشاعت اسلام کی طرف کماحقہ توجہ نہیں کر سکے، حالانکہ وہ وقت تھا جب کلکتہ کی ''مسجد ناخدا'' میں ہر روز تقریباً ایک سو غیر مسلم حلقہ بگوشِ اسلام ہوتے تھے۔ (۱۱) شمال کے علمائے کرام کے نظریے کے برخلاف جنوب کے اہل علم نے حکمران وقت سے معرکہ آرائی کو اپنا نصب العین نہیں بنایا بلکہ ان کا خیال تھا کہ حکمراں طبقہ ہمارے بیشتر امور دینیہ میں مداخلت نہیں کر رہا ہے بلکہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی میں کامل آزادی ہے تو پھر جہاد کا نعرہ بلند کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ جنوبی ہند کے مشہور مصنف و شیخ طریقت حضرت علامہ سید شاہ محی الدین عبداللطیف نقوی ویلوری معروف بہ قطب ویلور (متوفی ۱۲۸۹ھ) نے ویلور شہر کے اسپیشل کمشنر ''لوائن'' صاحب کے نام ۲۶ر دسمبر ۱۸۳۹ء کو خط تحریر کرتے

ہوئے لکھا کہ ”اہل اسلام کی شرع میں جو حاکماں کہ مانع بانگ وصلوٰۃ اور احکام شرعی نہیں ہیں پس اس صورت میں کیوں کر کوئی خلافِ شرع جہاد کی تجویز دے گا۔ (۱۲) علاوہ ازیں حکومت وقت جن بزرگوں کے علمی کمالات کی معترف تھی ان کی خدمت میں اہم ترین مناصب پیش کیے گئے، جیسے علامہ قاضی ارتضیٰ علی خاں بہادر خوشنود گوپاموی (۱۱۹۸ھ تا ۱۲۷۰ھ) ان کو حکومت برطانیہ نے ۱۲۴۴ھ میں ”قاضی القضاۃ“ کے عہدۂ جلیلہ پر فائز کیا۔ علامہ صبغتہ اللہ قاضی بدرالدولہ نائطی (۱۲۱۱ھ تا ۱۲۸۰ھ)، صوبۂ مدراس کے مشہور عالم وفاضل اور کئی کتابوں کے مصنف تھے، منصب قضا پر ۱۲۳۹ھ سے ۱۲۷۳ھ تک متمکن رہے۔ انگریز حاکم ایڈورڈ بالفور نے ان کو عظیم تعلیمی ادارہ ”مدرسۂ اعظم“ کی مجلس شوریٰ کا صدر مقرر کیا تھا۔

قطب ویلور کے فرزند ارجمند علامہ رکن الدین سید شاہ محمد قادری (۱۲۶۹ھ تا ۱۳۲۵ھ) نے دارالعلوم لطیفیہ ویلور کی تشکیل جدید کی تھی، ان کے علمی کارناموں سے متاثر ہو کر وائسرائے ہند نے ۱۲۹۴ھ میں ”شمس العلماء“ کے خطاب سے نوازا تھا۔ اسی طرح وائسرائے نے مدرسہ باقیات صالحات، ویلور کے بانی اور بلند پایہ صوفی علامہ شاہ عبدالوہاب قادری (۱۲۴۸ھ تا ۱۳۳۷ھ) کی خدمت میں ۱۳۲۴ھ مطابق ۱۹۰۷ء کو ”شمس العلماء“ کا خطاب پیش کیا۔ اس کے علاوہ ان کے فرزند دل بند شاگرد علامہ رحمت اللہ کیرانوی شاہ قادری ضیاء الدین محمد (متوفی ۱۹۴۱ء) جو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے تاحیات رکن رکین رہے ”خاں بہادر“ کے خطاب سے نوازے گئے۔ (۱۳) ان مثالوں سے یہ مطلب نہ نکالا جائے کہ علمائے جنوب نے عیسائی حکمرانوں کا ساتھ دیا۔ یہ قطعاً تاریخی حقائق کے برخلاف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جنوبی ہند میں عیسائیوں کی کوئی بھی مشنری یا تبلیغ عیسائیت کی کوئی بھی تحریک صحیح معنوں میں اس لیے پنپ نہ سکی، کیونکہ یہاں کے علما وفضلا اپنی ”تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ باقاعدہ عیسائیوں کا مسکت جواب دیتے رہے۔ اسی سلسلہ کی کڑی کے طور پر علامہ رحمت اللہ کیرانوی کی معرکہ آرا تصنیف ”ازالۃ الشکوک“ کو پہلی مرتبہ علامہ ضیاء الدین محمد قادری نے ۱۳۲۶ھ میں شائع کی تھی۔ بقول مولانا محمد سعید ابن مولانا محمد سلیم ناظم مدرسہ صولتیہ، مکہ مکرمہ:

> ”ہندوستان میں حضرت مولانا (رحمت اللہ کیرانوی) کے درس وتدریس کا زمانہ بہت محدود ہے، زمانے کے ناسازگار حالات اور خاص طور پر ہندوستان میں نصاریٰ

کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو روکنے کی فکر نے آپ کو اس کا موقع نہ دیا کہ اطمینان کے ساتھ تعلیم وتدریس کا فیضِ عام جاری کرتے، تکمیل تعلیم اور اکبر آباد، آگرہ کے یادگار زمانۂ مناظرہ کے درمیانی عرصے میں چند سال تک دربار کرانہ کی مسجد میں حضرت مولانا نے ایک دینی مدرسہ قائم کیا اس مدرسہ کے فیض یاب طلبا میں چند خاص نام درج ذیل ہیں جو ہندوستان میں مولانا کے خاص تلامذہ تھے، ان میں سے بعض نے مکہ مکرمہ بھی پہنچ کر حضرت مولانا سے شرف تلمذ حاصل کیا۔"(۱۴)

اس عبارت کے بعد تلامذہ کی فہرست دی گئی جس میں بانی مدرسہ باقیات صالحات شاہ عبدالوہاب قادری کا نام نامی نویں مقام پر درج ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ بانی مدرسہ نے مدراس سے اس دور میں دوبار کرانہ کا سفر کیا جبکہ آمدورفت کی سہولتیں نہ ہونے کے برابر تھیں۔ ان مشکل حالات میں ردّ عیسائیت کے جذبہ صادق کے تحت یہ مشکل سفر پیش آیا۔ واپس ویلور لوٹ کر عیسائیت کی تحریک کو قلع قمع کرنے میں لگ گئے۔ علمائے راسخین کی کوششوں کے باوجود عیسائی تبلیغی ادارے اپنا جال پھیلانے کی حتی المقدور کوششیں کرتے رہے، بقول مشہور مستشرق "گارساں دی تاسی" اس سچے مذہب مسیحیت کی اس قدر تیزی سے ترقی نہیں ہورہی ہے، جیسی کہ ہونی چاہیے تھی لیکن یہ ضرور ہے کہ اس ضمن میں جو کچھ کام کیا جارہا ہے، وہ نہایت ٹھوس ہے۔(۱۵)

میسور کی عظیم الشان "سلطنت خداداد" کا زوال اس کے شیر دل حکمران فتح علی ٹیپو سلطان کی شہادت ۱۲۱۳ھ مطابق ۱۷۹۹ء کے ساتھ ہی رونما ہوا۔ انگریز حکمرانوں کو یقین کامل ہو گیا کہ اب تمام ہندوستان پر ان کا سیاسی اقتدار قائم ہوجائے گا۔ انہوں نے اپنی دانست میں سلطنت خداداد کے پایہ تخت "سری رنگ پٹن" میں موجود سلطانی آثار کو وہاں باقی رکھنا مناسب نہیں سمجھا، چنانچہ شہید کے اہل خانہ اور سری رنگ پٹن کے قلعہ میں موجود تمام خویش واقارب کو صوبۂ آرکاٹ کے مشہور شہر ویلور منتقل کرکے وہاں کے مضبوط اور وسیع وعریض قلعہ میں نظر بند کردیا گیا۔ جہاں انگریزی افواج کی چوکسی اور نگرانی کے باوجود مذکورہ نظر بندی کے سات سال بعد ۱۰/جولائی ۱۸۰۷ء کو حکومتِ وقت کے خلاف زبردست بغاوت رونما ہوئی۔ مگر افسوس کہ یہ بغاوت صحیح منصوبہ بندی نہ ہونے اور عجلت میں لیے گئے غلط فیصلوں کے سبب ناکامی کا شکار ہوگئی۔ اس کا خمیازہ نہ صرف قلعہ میں محصور شاہی خاندان کے افراد کو اٹھانا پڑا

بلکہ سینکڑوں ہندوستانی سپاہی انگریزی فوجوں کے مقابلے میں لڑتے ہوئے شہید ہو گئے جن میں ہندو، مسلمان سبھی شامل تھے۔ یہ جنگ آزادی کے سلسلہ کی اولین بغاوت تھی، جسے تاریخ میں ''سپائیس میوٹنی'' (Spoys Mutiny) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور ہر سال ۱۰/ جولائی کو شہر ویلور میں یادگاری جلسے کیے جاتے ہیں، یہ روایت آج تک باقی ہے۔ ویلور کا یہ معرکہ شمالی ہند میں ۱۸۵۷ء میں واقع تحریک آزادی کی وسیع بغاوت سے نصف صدی پیشتر وقوع پذیر ہوا تھا۔ ویلور کی بغاوت کے بعد حکام وقت نے ٹیپو سلطان کے شہزادوں اور افراد خاندان میں سے بعض کو جن سے انہیں خدشہ تھا، ویلور سے سینکڑوں میل دور شہر کلکتہ روانہ کر دیا، انہی میں سے سلطان ٹیپو کے پوتے نواب بشیر الدین توفیق میسوری (متوفی ۱۳۰۲ھ بمقام کلکتہ) ابن نواب شکر اللہ بھی تھے۔ نواب توفیق کو مرزا غالبؔ سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ (۱۶) البتہ انگریز حکمرانوں نے نواب حیدر علی خاں مرحوم کی دوسری منکوحہ محترمہ بخشی بیگم (متوفی ۱۲۱۹ھ) جن کے برادر حقیقی نواب عبدالحلیم خاں والیٔ کڈپہ نے بھی سلطان شہید کے ساتھ سری رنگ پٹن میں جام شہادت نوش کیا تھا اور ٹیپو سلطان کی اہلیہ، ان کی بیٹیاں، داماد اور بعض خواتین جن میں سلطان کے دیوان پنڈت کرشنا چاریا لونیا (متوفی ۱۸۱۲ء) کی دختر جو پہلے ہی مشرف بہ اسلام ہو گئی تھی کے علاوہ ضعیف اشخاص کو بھی قلعہ ویلور ہی میں رہنے دیا، جن کے مزارات ویلور شہر کے گورستان شاہی میں موجود ہیں اور ان پر سنگی کتبے نصب ہیں، ان میں نواب بخشی بیگم کی قبر پر تحریر کردہ یہ کتبہ فن تاریخ گوئی کی عمدہ مثال پیش کرتا ہے:

''چوز دنیا بخشی بیگم جہت جنت شد وداع   بہر تاریخِ او ہاتف بگفت از درد و آہ
سال گنبد از غرائب ـــــ سال رحلت ایں بگو   زیب جنت زوج حیدر، امّ سلطان بادشاہ'' (۱۷)
۱۲۲۰

سلطنت خداداد کے سقوط کے بعد انگریزوں نے اپنی حکومت ہندوستان کے شمالی و جنوبی تمام ریاستوں پر مضبوط و مستحکم کر لی، جنوب کے قدیم کرناٹک کے حکمران نواب محمد علی والا جاہ گوپاموی (عہد حکومت ۱۱۶۳ھ تا ۱۲۱۰ھ) ابن نواب انور الدین شہامت جنگ شہید (شہادت ۱۱۶۲ھ مطابق ۱۷۴۹ء) سے معاہدۂ امن و آشتی کر لیا گیا۔ نواب والا جاہ ابتدا ہی سے انگریز افواج کے حلیف تھے، فرانسیسی افواج کے مقابلے میں نواب والا جاہ نے انگریزوں کا ساتھ دیا تھا۔ (۱۸) نواب والا جاہ کے بعد ان کے جانشین نواب غلام حسین عمدۃ الامرا کے عہد ۱۲۱۰ھ تا ۱۲۱۶ھ میں بھی مذکورہ عہد نامۂ امن و

دوستی برقرار رہا، پھر نواب عبدالعلی عظیم الدولہ (عہد حکومت ۱۲۱۶ھ تا ۱۲۳۵ھ) ریاست کرناٹک کے فرماں روا ہوئے تو انہوں نے ملک کے بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر ۱۲۱۶ھ مطابق ۱۸۰۱ء میں ایک نئے معاہدہ کے تحت سیول اور ملٹری (Civil and Military) نظم ونسق کے تمام اختیارات انگریزی حکومت ایسٹ انڈیا کمپنی (East India Company) کے سپرد کرنے ہی میں عافیت سمجھی، اس حکمت عملی کا اثر یہ ہوا کہ تمام ریاست کرناٹک میں معرکہ آرائی اور انتشار واضطراب کی کیفیت قطعاً باقی نہیں رہی، ریاست میں ہر طرف امن وسکون کا خوشگوار ماحول پیدا ہوگیا۔(۱۹) اس سکون آفریں فضا میں ریاست بھر میں علم وحکمت کی پرنور مجلسیں، علوم وفنون کی بزم آرائیاں اور تعلیم وتعلم کی مقدس محفلیں جاری ہوگئیں۔ حکومت کے زیر سرپرستی "مدرسۂ اعظم" جیسے تعلیمی اداروں کے علاوہ، خانگی و شخصی درسگاہیں بھی پورے آب وتاب کے ساتھ قال اللہ، قال الرسول کی صدائے روحانی سے بہرہ مند ہوگئیں، علامہ باقر آگاہ ویلوری (متوفی ۱۲۲۰ھ)، علامہ بحر العلوم عبدالعلی مدراسی (متوفی ۱۲۲۵ھ)، قاضی ارتضیٰ علی خاں فاروقی (۱۲۷۰ھ)، قاضی بدرالدولہ مولانا محمد صبغۃ اللہ نائطی (متوفی ۱۲۸۰ھ)، علامہ غلام قادر مدراسی (متوفی ۱۲۹۳ھ) وغیرہ باکمال اہل علم وفضل کے یہاں مدت دراز تک جذبۂ تعلیم و تعلم خوب فروغ پاتا رہا، اس دور کی خانگی درسگاہیں طلبہ کی قلت کے باوجود منظم تھیں۔

جنوب کی ریاست کرناٹک میں ۱۸۰۱ء کے نئے معاہدہ کے تحت مثبت اثرات جابجا نظر آئے، پانچ دہائیوں بعد شمالی ہند میں ۱۲۷۳ھ مطابق ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف زبردست بغاوت رونما ہوئی، جس میں علماء واکابر قوم بلکہ عوام وخواص سبھی شامل تھے۔ سب نذر معرکہ ہوئے، خصوصاً مسلمانوں کی آبادیاں اجاڑ دی گئیں، مدرسے ویران اور خانقاہیں بے چراغ کردی گئیں۔ شاید ان حالات کو دیکھتے ہوئے جنوب کے اہل حل وعقد نے یہ فیصلہ کیا کہ حکومت سے براہ راست مقابلہ کرنا خودکشی کے مترادف ہے۔ چنانچہ جنوب کے علما نے اپنی توجہ تعلیم وتدریس کی طرف مبذول کردی۔ تیرہویں صدی ہجری اور انیسویں صدی عیسوی میں ریاست کرناٹک میں دینی درسگاہیں عموماً خانگی نوعیت کی تھیں، ان مدرسوں میں قیام وطعام کی سہولت بھی نہیں تھی، ان حالات میں غریب ونادار طلبہ کے لیے دشواریاں زیادہ تھیں، اس کا خیال سب سے پہلے علامہ عبدالوہاب قادری ویلوریؒ کے کو آیا۔ چنانچہ ۱۲۷۹ھ مطابق ۱۸۶۲ء میں انہوں نے امّ المدارس مدرسہ باقیات صالحات قائم کیا جہاں طلبہ کے قیام و

طعام اوران کی تعلیمی ضروریات کا انتظام تھا۔مدرسہ کے لیےاہل دانش وبینش حضرات کی کمیٹی رجسٹرڈ کی گئی، اس طرح یہ ہندوستان کا پہلا باقاعدہ مدرسہ ہے جو ڈیڑھ صدی (۱۵۰ سال) سے آج تک الحمدللہ زندہ وتابندہ ہے۔

مدرسہ کی تفصیل پیش کرنے سے پیشتر ضروری ہے کہ شاہ عبدالوہاب قادریؒ کی عہد ساز شخصیت کی ایک جھلک سامنے آجائے۔

شاہ عبدالوہاب قادری ویلوری علیہ الرحمہ خانوادۂ ''شاہ مدار'' کے چشم و چراغ تھے،حضرات علماوصلحا کا یہ خاندان ہندوستان کے جنوب بعید میں صدیوں سے مبلغین ومعلمین کی حیثیت سے مشہور ہے، شاہ مدارعلیہ الرحمہ کے مورث اعلیٰ شاہ شمس الدین اشاعت اسلام کے لیے بغداد سے ہجرت کر کے بھٹکل تشریف لائے، جہاں آج بھی ان کی یادگار ''چلہ گاہ'' کی شکل میں موجود ہے،راقم نے مشہور عالم و مؤرخ مولانا عبدالمتین منیری جمالی بھٹکلی کی رہنمائی میں چلہ گاہ کی زیارت کی۔شاہ صاحب نے بعدازاں بھٹکل سے تقریباً دوسوکلومیٹر کے فاصلے پرشہر کاروار کے مضافات میں واقع قصبہ ''سداشیوگھڑ'' (Sadasivagad) کواپنا مستقر بنایااوروہاں ندی ''رودکالی'' کے کنارے یادالٰہی میں مصروف ہوگئے، ان کا انتقال اسی مقام پرہواجوتاحال مرجع خاص وعام ہے۔(۲۰)

حضرت شاہ مدار بھی اپنے آباواجداد کی طرح دین کی ترویج اورخلق خدا کی تعلیم وتربیت میں مشغول رہے۔مندروں کا شہرمدورا (Madurai) ان کی دعوت وتبلیغ کا مرکز تھا۔اپنی آبائی جاگیر قصبۂ آتور میں جسے مدورا کے قلعہ دار ''مُتّو نائک'' نے باصرار نذر کی تھی، واصل بحق ہوگئے۔سال وفات تقریباً ۱۱۵۵ھ ہے۔شاہ مدارؔ کے صاحبزادے مولانا حافظ عبدالقادر قادری بھی اپنے والد کے نقش قدم پر تھے، بقول حضرت علامہ عبدالصمد عملی باقوی (متوفی ۱۳۶۵ھ):

> ''آپ (شاہ عبدالقادر) اشاعت دین میں اس وقت کوشاں تھے جبکہ بتوں کی پرستش بکثرت تھی، اور اسلام کا چرچا کم تھا،شہرمدورا اوراس کے مضافات میں آپ کے مرید تھے،آپ کا مدفن مدورا قلعہ میں ہے۔''(۲۱)

شاہ عبدالقادر بتاریخ ٦ جمادی الاول ۱۱۷۲ھ کوانتقال کر گئے۔(۲۲) ان کے صاحبزادے مولانا شاہ غلام محی الدین قادری آتوری نے خاندانی روایت کے مطابق مدورا کے اطراف واکناف جیسے

ترنل ویلی، ترچناپلی، تنجاوُر وغیرہ میں صدائے توحید بلند کی، بتاریخ ۸ ربیع الاول ۱۲۲۰ھ مطابق ۱۸۰۵ء ان کی وفات ہوگئی۔

مولانا شاہ غلام محی الدین آتوری کے بیٹے شاہ عبدالقادر (ثانی) کی ولادت بتاریخ ۱۵ ربیع الآخر ۱۱۹۸ھ مطابق ۱۷۸۳ء قصبۂ آتور میں ہوئی۔ والد ماجد نے اپنی سرپرستی و نگہداشت میں ان کی تعلیم و تربیت کا بہترین انتظام فرمایا، چنانچہ شاہ آتوری نے جنوبی ہند کے بلند پایہ عالم و فاضل اور عربی زبان کے مایہ ناز شاعر و مدّاح رسول صلی اللہ علیہ وسلم شیخ المشائخ صدقۃ اللہ اپّا صدیقی (متوفی ۱۱۱۵ھ) جن سے شہنشاہ ہند اورنگ زیب عالمگیر (متوفی ۱۱۱۸ھ) کے روابط و تعلقات تھے۔ (۲۳) کی عظیم درسگاہ "مدرسۂ عروسیہ" (قائم شدہ ۱۰۸۲ھ مطابق ۱۶۷۱ء) کیلا کرائی ٹمل ناڈو میں داخل فرمایا، وہاں معقولات و منقولات کی کتابوں سے استفادہ کیا۔ کیلا کرائی سے فراغت کے بعد مدراس کا رخ کیا، جو اس دور میں شہر علم و فن تھا، علامہ قاضی القضاۃ ارتضیٰ علی خاں صفوی فاروقی خوشنود (ولادت ۱۱۹۸ھ وفات ۱۲۷۰ھ) کی درسگاہ بھی موجود تھی، علامہ فاروقی کے والد مولانا قاضی مصطفی علی خاں فاروقی خوش دل گوپاموی (متوفی ۱۲۳۴ھ) والی کرناٹک نواب محمد علی والا جاہ (متوفی ۱۲۱۰ھ) کے رشتہ دار تھے اور ان کی دعوت پر گوپامؤ (مضافاتِ لکھنؤ) سے مدراس تشریف لا کر خدمت قضا پر مامور ہوئے تھے۔ حضرت خوش دل نے صاحبزادے علامہ ارتضیٰ علی خاں کو بھی مدراس بلا لیا تھا۔ (۲۴) جہاں وہ درس و تدریس میں مشغول رہے۔ شاہ عبدالقادر نے قاضی ارتضیٰ علی فاروقی کی شہرت سنی تو ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہ دونوں ہم عمر تھے اور حسن اتفاق سے دونوں کا سال ولادت ۱۲۹۸ھ ہے۔ ہم عمری نے تکلفات کے پردے اٹھا دیے۔

مدراس کے قریب ویلور شہر میں شاہ عبداللطیف بیجاپوری کی خانقاہ کی بڑی شہرت تھی، شاہ عبدالقادر کے زمانہ میں خانقاہ کے زیب سجادہ شاہ محوی تھے، شاہ عبدالقادر روحانی تعلیم کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خلافت و اجازت سے سرفراز ہوئے، حضرت محوی نے اپنے ایک نامور خلیفہ شاہ محمد امین قادری کی دختر سے شاہ عبدالقادر کا نکاح کرا دیا۔

شاہ عبدالقادر کے حالات میں خاص ذکر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے ان کی عقیدت کا ہے

جس کا ایک مظہر تفسیر عزیزی کا ترجمہ عربی ہے لیکن یہ داستان الگ سننے کے لائق ہے۔

یہاں عرض کرنا ہے کہ شاہ عبدالقادر کو اللہ تعالیٰ نے پہلا فرزند عطا کیا تو ان کا نام عبدالوہاب رکھا، دوسرے صاحبزادے کا نام اپنے ممدوح شاہ عبدالعزیز کے نام پر رکھا، ۱۲۵۱ھ میں آتور میں وہ رحمت حق سے جا ملے، ان کے صاحبزادے شمس العلماوہاب العلوم شاہ عبدالوہاب قادری ویلوری (۱۲۴۷ھ-۱۳۳۷ھ) رازی دوراں وغزالی زماں ہونے کے باوجود فطرتاً انتہائی منکسر المزاج تھے اور یہ علم و حکمت کا اثر تھا اور اس کی برکت تھی کہ ان کی توجہ سے مدرسہ باقیات صالحات قائم ہوا، جس نے صرف خطہ جنوب ہی نہیں جنوب مشرقی ایشیا کے ملکوں جیسے: سیلون، ملیشیا، انڈونیشیا، فلپائن، مالدیپ، سنگاپور، ویت نام تک فیض رسائی تھی، عبدالصمد علی باقوی (متوفی ۱۹۴۶ء) نے صحیح فرمایا:

"ملک جنوب روشن اگر ہے، اسی سے ہے اس سے ہی فیض یاب ہے ہر خطۂ شمال
اللہ رے باقیات کا وہ عام فائدہ رکھتا ہے چین وہند میں، جاوا میں اشتغال" (۲۵)

شاہ عبدالوہاب ابھی دو ہی سال کے تھے کہ شفیق نانا حضرت محمد امین قادری کا وصال ۱۲۴۸ھ مطابق ۱۸۳۲ء میں ہوگیا۔ چار سال کے ہوئے تو والد علامہ عبدالقادر آتوری بھی چل بسے۔ والدہ کے لیے یہ بڑے دلدوز اور صبر آزما حادثے تھے لیکن حضرت قطب ویلوری نے شاہ عبدالوہاب کی صلاحیتوں کو دیکھ کر ان کے شاندار مستقبل کی بشارت دی اور اسی سے ان کی والدہ کو قرار آیا، انہوں نے ان کی تعلیم وتربیت پر خاص توجہ کی، شاہ صاحب کے ماموں شاہ محور نے فن قرأت وتجوید میں ان کو ماہر وکامل بنادیا اور وقت کے اجلہ علماء کے پاس بھیج کر معقولات ومنقولات کی تعلیم سے آراستہ کرادیا، بعد میں شاہ عبدالوہاب مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی خدمت میں حاضر ہوئے، فن مناظرہ میں مہارت حاصل کرنے کے بعد کیرانہ سے مدراس واپس تشریف لائے، علامہ غلام قادر مدراسی (م ۱۸۷۶ء) اور مولانا محمد فاخر گوپاموی کے درس میں بھی شریک ہوئے، مدراس میں قریب سات سال قیام رہا، یہی وہ زمانہ تھا جب شمال ہند میں انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی بپا تھی، مستقبل کے اندیشوں کے پیش نظر انہوں نے مدراس میں ۱۸۶۲ء میں اپنے مکان پر مدرسہ باقیات کا آغاز کیا۔

(جاری)

مآخذ وحواشی

(۱) راہی فدائی ڈاکٹر، قدیم ہندوستان میں علوم دین کے سرچشمے، الانصار پبلی کیشنز، حیدرآباد، مطبوعہ ۲۰۰۹ء ص ۲۰۔ (۲) ابوالحسنات ندوی مولانا، ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں، مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹۳۶ء، ص ۷۔ (۳) شبلی نعمانی علامہ ''الغزالی'' دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، طبع جدید ۱۹۹۷ء، ص ۵ بحوالہ مقریزی، جلد ۲، ص ۳۶۳۔ (۴) ابوالحسن علی ندوی سید مولانا حضرت، تاریخ دعوت وعزیمت، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء لکھنؤ، مطبوعہ ۱۹۶۹ء، حصہ اول، ص ۱۳۳۔ (۵) شمس اللہ قادری سید حکیم، سلاطین معبر، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، مطبوعہ ۱۹۲۸ء۔ (۶) مولانا سید سلیمان ندوی، عرب وہند کے تعلقات، ہندوستانی اکیڈمی، الہٰ آباد، مطبوعہ ۱۹۳۰ء، ص ۲۹۳۔ (۷) ابوالحسنات ندوی، مولانا، ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں ص ۱۳-۱۵۔ (۸) ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں، ص ۱۷۔ (۹) عبدالحی حسنی سید حکیم مولانا، ''ہندوستان اسلامی عہد میں'' ترجمہ مولانا شمس تبریز خاں، مجلس تحقیقات ونشریاتِ اسلام لکھنؤ مطبوعہ ۱۹۷۳ء، ص ۱۸۲۔ (۱۰) ڈاکٹر راہی فدائی، قدیم ہندوستان میں علوم دین کے سرچشمے، ص ۳۵-۳۶۔ (۱۱) ''الجمعیۃ'' ویکلی، دہلی، ۲۴ مارچ ۱۹۷۳ء، ص ۳، بحوالہ ''الرسالہ'' جون ۱۹۹۱ء، شمارہ ۱۷۵، ص ۸۔ (۱۲) غیر مطبوعہ مکتوب حضرت قطب ویلور، مخزونہ دارالعلوم لطیفیہ، حضرت مکان، ویلور۔ (۱۳) راہی فدائی ڈاکٹر، ''جنوب کے اصحاب کمال (جلد دوم)، الانصار پبلی کیشنز، حیدرآباد، مطبوعہ ۲۰۱۹ء، ص ۴۹۵ تا ۵۰۰۔ (۱۴) اسیر آدروی مولانا، ''مجاہد اسلام مولانا رحمت اللہ کیرانوی'' بحوالہ خطبات گارساں دی تاسی، حصہ دوم، ص ۲۰۱-۲۰۲، فرید انٹر پرائزس، دہلی، مطبوعہ ۲۰۰۴ء، ص ۵۴۔ (۱۵) جنوب کے اصحاب کمال (جلد دوم)، ص ۵۱۰-۵۱۱۔ (۱۶) راہی فدائی ڈاکٹر، ''استشہاد'' کرناٹک اردو اکادمی، بنگلور، مطبوعہ ۲۰۱۲ء، ص ۵۰۱۔ (۱۷) محمد یوسف کوکن عمری افضل العلما ''خانوادۂ قاضی بدرالدولہ'' (جلد اول)، دارالتصنیف مدراس، مطبوعہ ۱۹۶۳ء، ص ۱۲۶۔ (۱۸) قادری، ایس، کے ڈاکٹر، خلیل اللہ یو۔ ایم ''دی بریف ہسٹری آف دی نوابس آف کرناٹک اینڈ پرنس آف آرکارٹ (انگریزی) مطبوعہ شکتی پریس، مدراس ۱۹۹۰ء، ص ۷ تا ۱۴۔ (۱۹) یہ روایتیں راقم الحروف نے علامہ شاہ عبدالوہاب قادری کے جداعلیٰ حضرت شاہ مدار علیہ الرحمہ کے وطن عزیز ''زمین آتور'' (ضلع ڈنڈگل، تمل ناڈو) میں موجود عمر رسیدہ حضرات سے مذکورہ تفصیلات معلوم کیں، البتہ کاروار کی معلومات محترم مولانا منیری صاحب نے مہیا کیں، راقم ان سب کا شکر گزار ہے۔ (۲۰) عبدالصمد علمی مولانا ''رحلت شیخ ویلور'' مطبوعہ مطبع شاہ الحمیدیہ مدراس، ۱۹۱۹ء،

ص۴۔(۲۱)فدوی باقوی ویلوری مولانا مجدد جنوب، مطبوعہ ۱۳۹۴ھ،لکی فائن آرٹ پرنٹنگ پریس، حیدرآباد، ص۳۳۔(۲۲)”قدیم ہندوستان میں علوم دین کے سرچشمے“ص ۵۲ عالمگیراورنگزیب سے شیخِ موصوف کے تعلقات کا علم راقم کو کیلاکرائی کے مدرسہ میں موجود مخطوطات سے ہو۔(۲۳)محمد غوث خاں نواب بہادراعظم،تذکرہ گلزاراعظم، مطبوعہ مطبع سرکاری، مدراس ۱۲۷۲ھ،ص۱۷۶۔(۲۴)حضرت محدث شاہ عبدالرحیم آتوریؒ کے مذکورہ خط کی نقل راقم الحروف کے پاس محفوظ ہے۔اس نایاب غیر مطبوعہ خط کو مولوی محمد سلطان باقوی کائل پٹنی نے راقم کے حوالے کیا تھا، راقم آپ کا شکرگزار ہے۔(۲۵)علامہ شاہ عبدالقادر آتوری التعریب القادی للتفسیر العزیزی مخطوطہ مخزونہ کتب خانہ جامعہ باقیات صالحات، ویلور۔

فارم IV (رول نمبر ۸)

نام پریس	:	معارف پریس، اعظم گڑھ	نام پبلشرز	:	ڈاکٹر فخرالاسلام اعظمی
مقام اشاعت	:	دارالمصنّفین اعظم گڑھ	قومیت	:	ہندوستانی
وقفۂ اشاعت	:	ماہانہ	پتہ	:	دارالمصنّفین اعظم گڑھ
نام پرنٹر	:	ڈاکٹر فخرالاسلام اعظمی	اڈیٹر	:	اشتیاق احمد ظلی
قومیت	:	ہندوستانی	قومیت	:	ہندوستانی
پتہ	:	دارالمصنّفین اعظم گڑھ	پتہ	:	دارالمصنّفین اعظم گڑھ

نام و پتہ مالک رسالہ: دارالمصنّفین اعظم گڑھ

میں ڈاکٹر فخرالاسلام اعظمی تصدیق کرتا ہوں کہ جو معلومات اوپر دی گئی ہیں وہ میرے علم و یقین میں صحیح ہیں۔

اسلامی معاشیات
مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی نظر میں

☆ڈاکٹر ظفر دارک قاسمی

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی یا سیوہاروی علوم اسلامیہ خصوصاً قرآنیات میں ممتاز درجہ ورتبہ رکھتے تھے، عملی لحاظ سے بھی انہوں نے ملک وقوم کی خدمات کے ذریعہ نمایاں مقام حاصل کیا، کئی اہم کتابوں کو اس طرح پیش کیا کہ وہ دوسروں کے لیے مرجع و ماخذ بن گئیں۔ معاشیات ایسا مضمون ہے جس سے علمائے کبار نے زیادہ التفات نہیں کیا، مگر مولانا سیوہاروی نے اس مضمون سے بھی دلچسپی لی اور اس طرح کہ اب ان کے افکار کو موضوع مطالعہ بنانے کی بھی ضرورت ہے۔ زیر نظر مضمون میں ان کے معاشی افکار کے تجزیہ کی ایک کوشش پیش کی جاتی ہے۔

معاشیات کا مفہوم: معاش عربی زبان کا لفظ ہے، اس کا مصدر ''عاش'' ہے جس کے معنی ''زندگی گزارنے'' کے ہیں۔(۱) قرآن مجید میں ہے: فھو فی عیشۃ الراضیۃ ''پس یہ (خوش نصیب) پسندیدہ زندگی بسر کرے گا''، ایک مصدر ''عیش'' بھی ہے جس کے معنی خوراک، روٹی، زندگی کے ہیں۔ (۲)

امام راغب اصفہانی (۵۰۲ھ) کے مطابق ''العیش'' خاص کر اس زندگی کو کہتے ہیں جو حیوان میں پائی جاتی ہے اور یہ لفظ ''الحیاۃ'' سے اخص ہے اور اسی سے المعیشۃ ہے جس کے معنی ہیں سامانِ زیست یعنی کھانے پینے کی وہ تمام چیزیں جن پر زندگی کا دارومدار ہے۔ (۳)

اصطلاحی مفہوم: انسائیکلوپیڈیا کے الفاظ میں: ''معاشیات کا واسطہ ایسے معاشرتی امر سے ہے جو ایک فرد سے لے کر منظم گروہ کی مادی ضروریات پر اپنی توجہ مرکوز رکھتا ہے''۔ (۴)

☆شعبۂ دینیات سنی اے ایم یو، علی گڑھ، zafardarik85@gmail.com۔

امام غزالی (م ۵۰۵ھ) فرماتے ہیں:

"دنیا میں بغیر کھائے پیے رہنا ناممکن ہے تو زندگی کے لیے کمانا ضروری اور لازمی ہے، لہٰذا اس کے صحیح طریقوں کو جاننا بھی ضروری ہے"۔(۵)

اب مسلم و غیر مسلم مفکرین کا نقطۂ نظر پیش ہے، مشہور مؤرخ اور ماہر عمرانیات علامہ ابن خلدون (م ۸۰۸ھ) اس کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

ان المعاش ھو عبارۃ عن ابتغاء الرزق والسعی فی تحصیله۔(۶)	معاش رزق تلاش کرنے اور اسے حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کا نام ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ) رقم طراز ہیں:

"افراد معاشرہ کی اشیا کے باہمی تبادلہ، ایک دوسرے سے معاشی تعاون اور ذرائع معیشت و آمدنی کی حکمت سے بحث کرنے کا نام علم معیشت ہے"۔(۷)

غیر مسلم مفکرین میں آدم اسمتھ (م ۱۷۹۰ء) جن کو اکنامکس کا بانی کہا جاتا ہے انہوں نے اورالفریڈ مارشل (م ۱۸۳۲ء) نے معاشیات کی تعریف یوں بیان کی ہے:(۸،۹)

Economics is a Science wich Studies human behaviour as a relationship between ends and Searce means with alternative uses.

معاشیات کی ہم معنی اصطلاحات، اقتصادیات اور مالیات ہیں:

"الاقتصاد قصد یقصد قصداً سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی درمیانی راستہ اختیار کرنا"۔(۱۰)

ایک ماہر لسانیات نے یہ بھی بتایا ہے:

"کسی معاملے میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنا، خرچ میں اعتدال اختیار کرنا، کسی کام میں استقامت اختیار کرنا"۔(۱۱) قرآن مجید میں ہے: واقصد فی مشیك (سورہ لقمان) "اور میانہ روی اختیار کر اپنی رفتار میں"۔

ابن منظور (م ۷۱۰ھ) نے "لسان العرب" میں بتایا کہ قصد سے مراد یہ ہے کہ نہ اسراف

کیا جائے اور نہ ہی بخل کیا جائے۔(۱۲)

امام اسماعیل بن حماد الجوہری کے حوالہ سے محمد بن ابی بکر الرازی نے یہ معنی بیان کیے ہیں:

"اسراف اور کنجوسی کے درمیان میانہ روی اور اعتدال کو "قصد" کہا جاتا ہے"۔(۱۳)

صاحب فیروز اللغات لکھتے ہیں:

"دور جدید میں اقتصادیات سے مالی اور معاشی امور مراد لیے جاتے ہیں، لہٰذا اصطلاحاً اقتصادیات سے مراد وہ علم ہوگا جس میں دولت کی پیدائش اور تقسیم سے بحث کی جاتی ہے"۔(۱۴)

اس سلسلہ کا تیسرا لفظ مالیات ہے، مال کا مفہوم جاننے کا مدار اس کے مادہ اشتقاق پر ہے، اس لحاظ سے مال کے اصل میں دو احتمال ہیں: ۱۔م و ل۔ ۲۔م ی ل۔

اگر مادہ اول مراد لیا جائے تو اس کے معنی "ذخیرہ کی جانے والی چیز کے ہیں" اور اگر دوسرے کے لحاظ سے تو اس کے معنی "میلان" کے ہیں۔(۱۵)

گویا اول معنی کے اعتبار سے مال کا مصداق محدود ہے جب کہ دوسرے معنی کے اعتبار سے اس میں وسعت ہے، اکثر اہل لغت نے اس کا مصدر 'م و ل' (مول) مانا ہے، البتہ بعد میں اس کے مصداق اور اطلاق کی تعیین میں مرحلہ وار تشریحات ہوتی رہیں، ابن کثیر کہتے ہیں:

"اصل میں مال سونا اور چاندی ہے جو ملکیت میں آتا ہے۔ پھر اس کا اطلاق تمام ان اعیان (حسی اور مادی اشیا) پر ہونے لگا جن کو ذخیرہ کیا جا سکے اور جن کی ملکیت حاصل ہو سکے اور عربوں کے یہاں مال کا اطلاق زیادہ تر اونٹوں پر ہوتا تھا کیونکہ ان کے یہاں زیادہ تر مال یہی تھا۔"(۱۶)

مال کے اصطلاحی معنی کی تعیین میں مفکرین اور فقہا کی آرا مختلف ہیں، چنانچہ غیر احناف کے نزدیک مال کی حقیقت میں اعیان اور منافع دونوں شامل ہیں۔

وقال غیرالحنفیة:ان المنافع اموال منفوعة کالاعیان ،لان الغرض الاظهر من جمیع الاموال هو منفعتها۔(۱۷)	احناف کے علاوہ دوسرے فقہا کے نزدیک منافع بھی اموال منفوعہ (وہ جن کی قیمت کا اعتبار کیا جاتا ہو) ہیں دوسرے مادی اشیا کی طرح کیونکہ تمام اموال

سے مقصود منفعت ہوتی ہے۔

درج بالا عبارت کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر وہ شے جس سے نفع حاصل کیا جاسکتا ہو وہ مال ہے خواہ وہ حسی اور مادّی ہو یا غیر حسی اور غیر مادّی ہو چنانچہ مسیل، حق شرب، حق مرور، حق تالیف، حق ایجاد اور علامت تجارتی (Trade Mark) وغیرہ تمام حقوق ملکیہ مال کے حکم میں ہوں گے۔(۱۸)

احناف کے یہاں مال کا اطلاق صرف اعیان پر ہوتا ہے جو مادی اور حسی ہو، غیر مادی اور غیر حسی اشیا پر اس کا اطلاق درست نہیں، اسی وجہ سے ان کے یہاں مال کی درج ذیل تعریفیں کی گئی ہیں:

المال اسم لغیر الآدمی خلق لمصالح الآدمی وامکن احرازہ والتصرف فیه علی وجه الاختیار۔(۱۹)	"مال غیر انسان کا نام ہے جو مصالح انسان کے لیے پیدا کیا گیا ہو اور اسے محفوظ کرنا اور اپنے اختیار سے اس میں تصرف کرنا ممکن ہو"۔

دوسری تعریف اس طرح منقول ہے:

المراد بالمال ما یمیل الیه الطبع ویمکن ادّخارہ لوقت الحاجة۔(۲۰)	مال وہ چیز ہے جس کی طرف طبیعت کا میلان ہو اور وقت کی ضرورت کے لیے اس کا ذخیرہ کرنا ممکن ہو۔

یعنی احناف کے یہاں مال کا اطلاق ان اشیا پر ہوگا جن میں یہ تین صفات پائی جائیں:
۱۔ذخیرہ کیا جاسکتا ہو ۲۔تصرف کرنا ممکن ہو ۳۔طبیعت کا میلان ہو۔

لہٰذا اب وہ اشیا مال کے زمرے میں آئیں گی جو اعیان کی جنس سے ہوں، حالات و زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ عرف و عادات وضروریات بھی تبدیل ہوتی رہتی ہیں، زمانے کے حالات اور عرف و عادت کو نظر انداز کرتے ہوئے (مال) کو قدیم مفہوم تک محدود رکھنا مشکل ہے، لہٰذا اسی ضرورت کے پیش نظر فقہ حنفی کے بنیادی تصور پر مستزاد کچھ منافع اور حقوق مال کے حکم میں شامل کیے ہیں۔ چنانچہ علامہ کاسانی (م ۵۸۷ھ) نے لکھا ہے کہ مال کبھی عین ہوتا ہے اور کبھی منفعت۔ والمال قد یکون عیناً وقد یکون منفعة۔(۲۱) وجہ بتائی کہ:

لانّ هذه المنافع اموال او التحقت بالاموال شرعًا (۲۲)	اس لیے کہ یہ منافع اموال ہیں یا شرعاً اموال کے ساتھ حکم میں منسلک ہیں۔

ابن نجیم نے بھی لکھا:

لان ھذہ المنافع اموال او الحقت بالاموال شرعاً فی سائر العقود لمکان الحاجۃ۔ (۲۳)	اس لیے کہ یہ منافع اموال میں سے ہیں یا بوجہ حاجت تمام عقود میں شرعاً اموال کے ساتھ پیوست ہیں۔

غرض یہ کہ مال کے لغوی اور اصطلاحی معنی کے تعیین میں زمانہ کے اختلاف اور لوگوں کے عرف عادات کا کافی دخل ہے چنانچہ اب مال کے مصداق میں اعیان کے علاوہ منافع اور حقوق مجردہ وغیرہ سب داخل ہیں۔

معاشیات، اقتصادیات اور مالیات کی متذکرہ بالا تمام تعریفات میں قدر مشترک یہ ہے کہ انسان وسائل یا ذرائع معاش سے اپنی ضروریات زندگی کو پوری کرے۔ مفتی تقی عثمانی لکھتے ہیں:

> ”ہر اقتصادی نظام کے لیے چار مسائل ہیں جن کو حل کرنا ناگزیر ہے ماہرین اقتصادیات کی اصطلاح میں وہ یہ ہیں: ۱۔ ترجیحات کی تعیین ۲۔ وسائل کو بروئے کار لانا ۳۔ آمدنی کی تقسیم ۴۔ ترقی“۔ (۲۴)

مذکورہ اقوال کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ معاشیات، اقتصادیات یا مالیاتی نظام۔ ان تمام کی تعریفوں میں مفہوم مشترک یہ ہے کہ انسان وسائل معاش تلاش کرے اور اپنی ضروریاتِ زندگی کو پوری کرے۔

اسلامی معاشیات کی اہمیت وافادیت: معاشیات واقتصادیات کی اہمیت ومعنویت کا اندازہ اس بات سے بحسن وخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ خود اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں علم معاشیات کا ذکر متعدد مقامات پر کیا ہے، جیسے:

نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَيۡنَهُم مَّعِيشَتَهُمۡ فِي ٱلۡحَيَوٰةِ ٱلدُّنۡيَا (سورہ زخرف: ۳۲)	ہم نے ہی دنیا کی زندگی میں ان کی روزی تقسیم فرمائی۔
وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي ٱلۡأَرۡضِ إِلَّا عَلَى ٱللَّهِ رِزۡقُهَا (سورہ ہود: ۶)	اور زمین پر چلنے والا کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر نہ ہو (یعنی اللہ تعالیٰ نے سب کو روزی دینے کا خود ذمہ لیا ہے)۔
وَلَقَدۡ مَكَّنَّٰكُمۡ فِي ٱلۡأَرۡضِ وَجَعَلۡنَا لَكُمۡ فِيهَا مَعَٰيِشَ (سورہ اعراف: ۱۰)	اور ہم نے ہی تم کو زمین میں بسایا اور اس میں تمہارے لیے روزی کے (ہر قسم کے) اسباب پیدا کیے۔

وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ (سورہ رحمٰن:۹)	اور ہر چیز انصاف سے تولو اور (کسی چیز کا) وزن نہ گھٹاؤ۔
وَأَحَلَّ اللهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا (سورہ بقرہ:۲۷۵)	اور اللہ تعالیٰ نے خرید وفروخت کو حلال کیا اور سود کو حرام۔
وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا (سورہ فرقان:٦٧)	اور وہ لوگ جب خرچ کرتے تو نہ (فضول خرچ کرکے) حد سے بڑھتے ہیں اور نہ (ضروری خرچ کی جگہ) تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا ان دونوں کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔

یعنی اسلام میں علم معاشیات کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔اسلام کے تصور معاشیات میں اس قدر واضح اور ظاہر کسی اور نظام میں نہیں پایا جاتا۔قرآن کے علاوہ احادیث میں بھی اس کی وضاحت ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الاقتصاد فی النفقة نصف المعیشة (۲۵)	خرچ میں اعتدال آدھی معیشت ہے۔
ما عال من اقتصد (۲٦)	جس نے میانہ روی اختیار کی وہ محتاج نہ ہوگا۔
طلب کسب الحلال بعد الفریضة (۲۷)	رزق حلال کی تلاش فرض عبادت کے بعد (سب سے بڑا) فریضہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون سی کمائی سب سے زیادہ پاکیزہ ہے تو آپؐ نے فرمایا:

عمل الرجل بیدہ و کل بیع مبرورٍ (۲۸)	آدمی کا اپنے ہاتھ سے کمانا اور ہر جائز تجارت۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال کو ضائع کرنے سے بھی منع فرمایا: ینتھی عن قیل وقال و کثرة السؤال و اضاعة المال (۲۹)۔

آپ بیکار باتیں بنانے، زیادہ سوالات کرنے اور مال کو ضائع کرنے سے منع فرماتے اسی طرح قناعت وشکر گزاری کے متعلق حضورؐ نے ارشاد فرمایا:

قدافلح من اسلم ورزق کفافاً وقنعه اللّٰه بما آتاه (۳۰)	جس شخص نے اسلام قبول کرلیا اور جس کو ضرورت کے مطابق روزی دی گئی اور جسے اللہ نے ان چیزوں پر قانع بنادیا جو اس کو دی گئی ہیں وہ کامیاب ہوگیا۔

حصول معاش کی مزید اہمیت وافادیت کا اندازہ خلفائے راشدینؓ کے طرز عمل سے بھی ہوتا ہے، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ (م ۱۳ھ) کے دور میں جب منکرین زکاۃ نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو آپؓ نے ان سے جہاد کیا۔ (۳۱)

اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ زکوٰۃ یعنی مالی معاملات کی کتنی اہمیت تھی، اسی طرح ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ (م ۲۳ھ) نے فرمایا: ''تم سے کوئی شخص طلب رزق کے لیے (ہاتھ پر ہاتھ دھر کر) نہ بیٹھا رہے، درآنحالیکہ وہ کہہ رہا ہو: اے اللہ! مجھے رزق عطا فرما اور وہ جان لے کہ آسمان سونا چاندی نہیں برساتا''۔ (۳۲)

حضرت عثمان غنیؓ (م ۳۵ھ) جہاں مال کما کر حاصل کرنے کی تلقین کرتے وہیں آپؓ جبری اور بچہ مزدوری کے بھی خلاف تھے۔ امام مالک ان کا قول نقل کرتے ہیں:

لاتکلفوا الامة غیرذات الصنعة الکسب فانکم متی کلفتموھا ذلك کسبت بفرجھا ولاتکلفوا الغیرالکسب فانه اذا لم یجد سرف وعفوا اذا اعفکم اللّٰه وعلیکم من المطائم بما طاب منھا (۳۳)	جو لونڈی کوئی ہنر نہ جانتی ہو اس کو کمائی پر مجبور مت کرو کیونکہ جب تم اسے مجبور کروگے تو وہ تمہیں شرمگاہ کے ذریعہ کما کردے گی اور چھوٹے بچے کو کام پر مجبور نہ کرو، کیونکہ جب وہ نہیں پائے گا تو چوری کرے گا اور تم ان کی محنت معاف کردو جیسے اللہ نے تمہاری کی۔

اموی خلفا نے بھی اسلامی معاشی تعلیمات کو مدنظر رکھتے ہوئے معاشی نظام کو فروغ دیا۔ چنانچہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عمال کے نام ایک خط تحریر کیا جس میں معاشی معاملات میں ایمانداری کی ہدایت کی کہ کوئی بھی عامل عام اور خاص دونوں طریقوں سے رزق نہ نکالے کسی ایک کے لیے بھی یہ درست نہیں کہ وہ دو جگہوں سے (یعنی) خاص وعام سے رزق حاصل کرے اور جس کسی نے بھی اس طرح سے کوئی چیز حاصل کی تو اس سے وہ چیز واپس لے لو پھر اس چیز کو واپس اس کی جگہ پر لوٹا دو جہاں سے وہ لی گئی ہو۔ (۳۴)

خلفائے عباسیہ نے بھی معاشیات کو خاص اہمیت دی، خلیفہ ''ابوجعفر منصور'' اور ''ہارون الرشید'' نے معاشی معاملات کو بہتر بنایا اور بیت المال کی بہتری کے لیے بے شمار کام کیے، امام ذہبی (م ۷۴۸ھ) نے لکھا ہے:

''اور جب خلیفہ منصور کی وفات ہوئی تو اس نے بیت المال میں ۹۵ کروڑ کی رقم چھوڑی''۔(۳۵)

دور اموی میں رزق حلال کی ترغیب، صدقہ کرنے کی حوصلہ افزائی، اسراف سے پرہیز کی تلقین وقتاً فوقتاً کی گئی، خلیفہ ہارون الرشید مال کو دفینوں کی صورت میں بچا کر رکھنے کے سخت خلاف تھے۔(۳۶)

اسلامی علم معاشیات کا تحریری سرمایہ: اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ باقاعدہ اسلامی علم معاشیات کی نشر و اشاعت کی ابتدا عہد عباسی سے ہوتی ہے کیونکہ ہارون الرشید کے ایما پر قاضی ابو یوسف نے اسلامی معاشیات پر ''کتاب الخراج'' تصنیف کی۔ علاوہ ازیں تقریباً تمام محدثین عظام نے معاشیات کے اصول و ضوابط بیان کیے ہیں۔ محمد بن اسماعیل امام بخاری (م ۲۵۶ھ) نے ''الصحیح البخاری'' میں ''کتاب البیوع''، مسلم بن حجاج القشیری (م ۲۶۱ھ) صحیح مسلم محمد بن عیسیٰ (م ۲۷۹ھ) نے سنن ترمذی، سلیمان بن الاشعث نے (م ۲۷۵ھ) سنن ابوداؤد، محمد بن یزید (م ۲۷۳ھ) سنن احمد بن شعیب (م ۳۰۳ھ) عثمان بن سعید الدارمی (م ۲۸۰ھ)، ابن خزیمہ (م ۳۱۱ھ) ابن حبان (م ۳۵۴ھ) الدارقطنی (م ۳۸۵ھ) الحاکم (م ۴۰۵ھ) احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) البیہقی (م ۴۵۸ھ) نیز زیادہ تر محدثین نے باقاعدہ بیوع (تجارت) اور اس سے وابستہ تمام بنیادی نکات بیان کیے ہیں۔ ابن ندیم کی کتاب الفہرست اور حاجی خلیفہ کی کشف الظنون سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی معاشیات پر تقریباً پچیس کتابیں دوسری اور تیسری صدی ہجری میں مرتب کی جا چکی تھیں۔

عہد حاضر میں اردو میں بھی اس موضوع پر کافی ذخیرہ موجود ہے، مثلاً مولانا مناظر احسن گیلانی کی ''اسلامی معاشیات''، سید ابوالاعلیٰ مودودی کی ''معاشیات اسلام''، ڈاکٹر طاہر القادری کی ''اقتصادیات اسلام''، پروفیسر رفیع اللہ شہاب کی ''اسلامی ریاست کا مالیاتی نظام اور بینکاری نظام''، غلام احمد پرویز کی ''نظام ربوبیت، خدا اور سرمایہ دار''، مفتی محمد شفیع صاحب کی ''اسلام کا نظام ارضی''، ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی کی ''اسلام کا نظریہ ملکیت'' اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی ''اسلام کا اقتصادی نظام'' وغیرہ وغیرہ۔

اب تک کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ اسلامی معاشیات پر ہر زمانہ میں کام ہوا۔

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے بھی اسلامی معاشیات کی وضاحت میں قابل قدر حصہ لیا اور اسلامی معاشیات کے حوالہ سے ایک کتاب اسلام کا اقتصادی نظام کے نام سے لکھی۔ سطور ذیل میں مولانا کے معاشی افکار و نظریات کا جائزہ مقصود ہے۔

اصول معاشیات: مولانا موصوف نے اصول معاشیات چار بتائے ہیں: ۱۔ حق معیشت میں مساوات ۲۔ درجات معیشت ۳۔ احتکار و اکتناز کی حرمت ۴۔ فاسد نظام معیشت کا انسداد اور سرمایہ و محنت میں عادلانہ توازن۔

حق معیشت میں مساوات: معاشیات سے متعلق قرآن عزیز کے اساسی اصول کی تفصیل میں لکھتے ہیں:

رزق اور معاش کا حقیقی تعلق صرف ذاتِ الٰہی سے وابستہ ہے اور وہی ہر فرد کا کفیل ہے اور اگرچہ اس کی مصلحت عام اور حکمت تام کا تقاضا یہ ہے کہ دنیا کے اس متنوع ماحول میں رزق کے اندر تفاوتِ درجات پایا جائے لیکن امارت و غربت کے فطری تنوع کے باوجود یہاں ایک فرد بھی محروم المعیشت نہ رہنے پائے کیونکہ اس نے حق معیشت کو سب کے لیے مساوی اور برابر رکھا ہے اور کسی کو بھی اس حق مساوات میں دخل انداز ہونے کا حق عطا نہیں فرمایا۔(۴۱)

مولانا کے مدنظر یہ آیات ہیں: ومامن دابّۃ (سورہ ہود) وفی السماء رزقکم وما توعدون (سورہ ذاریات) وھو الذی خلق لکم مافی الارض جمیعًا (سورہ حٰم سجدہ) اور سورۂ نحل وغیرہ۔ مولانا کہتے ہیں کہ مذکورہ آیات میں حق معیشت کی مساوات کا جس قدر صاف اور صریح اعلان ہے وہ اپنی مثال ہے اور اس کا انکار ہدایت و صراحت کا انکار ہے، لکھتے ہیں کہ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ منشاء الٰہی کے اس مقصد عظیم کو پورا کون کرے اور اس عالم اسباب میں اس کی تکمیل کس کے ذمہ واجب ہے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے مولانا موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ اس عالم تشریع میں یہ فریضہ نائب الٰہی ''خلیفہ'' پر عائد ہوتا ہے کہ حکومت اسلامی میں ایک فرد بھی ایسا نہیں ہونا چاہیے جو حق معیشت سے محروم ہو اور نہ کسی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ حق معیشت میں در انداز بن سکے اور جو حکومت اس منشاء الٰہی کو پورا نہیں کرتی وہ ''فاسد نظام'' کی حامل اور نظام عادل سے منحرف ہے۔(۴۲)

مولانا نے اس سلسلہ میں ابن حزم ظاہری کی کتاب المحلی کی احادیث کو پیش کیا ہے اور ان کے حوالہ سے تحریر کیا ہے: ''اور ہر ایک بستی کے ارباب دولت کا فرض ہے کہ وہ فقرا اور غربا کی معاشی زندگی کے کفیل ہوں اور اگر مال فے بیت المال کی آمدنی ان غربا کی معاشی کفالت کو پوری نہ ہوتی ہو تو سلطان (امیر) ان ارباب دولت کو اس کفایت کے لیے مجبور کر سکتا ہے (یعنی ان کے فاضل مال سے یہ چیز لے کر فقرا کی ضروریات میں صرف کر سکتا ہے) اور ان کی زندگی کے اسباب کے لیے کم از کم یہ انتظام ضروری ہے کہ ان کی ضروری حاجت کے مطابق روٹی مہیا ہو، پہننے کے لیے گرمی اور سردی دونوں موسم کے لحاظ سے لباس فراہم ہو اور رہنے کے لیے ایک مکان ہو جو ان کو بارش، گرمی، دھوپ اور سیلاب جیسے امور سے محفوظ رکھ سکے''۔(۳۸)

اس طرح حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

> ''اس بات پر صحابہؓ کا اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص بھوکا، ننگا یا ضروریات رہائش سے محروم ہے تو مالدار کے فاضل مال سے اس کی کفالت کرنا فرض ہے''۔(۳۹)

مولانا کہتے ہیں کہ ''حق معیشت کی مساوات'' کا یہ نظریہ منشاء الٰہی کے خلاف نہیں بلکہ عین منشاء الٰہی کے مطابق ہے اور یہ جدید نظریہ نہیں ہے کہ مارکسزم کی حمایت یا اس سے مرعوبیت کی بنا پر احکام اسلامی کی انوکھی تعبیر کے ذریعہ وجود میں آیا ہو۔(۴۰)

درجات معیشت: اس سلسلہ میں مولانا موصوف کا ماننا یہ ہے کہ اگرچہ حق معیشت میں سب مساوی ہیں لیکن درجات معیشت میں مساوی نہیں ہیں اور معیشت میں درجات کا تفاوت ایک فطری ہے یعنی یہ ضروری نہیں کہ سب کے لیے سامان معیشت ایک ہی طرح کا ہو لیکن یہ ضروری ہے کہ ہو سب کے لیے مگر درجات کا یہ تفاوت ایسے اعتدال پر قائم رہے کہ کسی حالت میں بھی وہ لوگوں کے درمیان وجہ ظلم نہ بن سکے یعنی تفاوت درجات تو ہو لیکن ایسا نہ کہ ''معیشت'' انسانوں کو دو طبقوں میں اس طرح تقسیم کردے کہ ایک کی ترقی دوسرے کے فقر و افلاس کا سبب بنے اور دوسرا پہلے کے معاشی اغراض کا آلہ کار بن کر رہ جائے۔(۴۱)

نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَیۡنَهُمۡ مَّعِیۡشَتَهُمۡ (سورہ رعد) وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعۡضَكُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ (سورۂ نحل)

ان نصوص کی روشنی میں تحریر کرتے ہیں کہ ''گویا رزق میں تفاوت درجات کی مصلحت ایک خاص قسم کی

آزمائش پر مبنی ہے یعنی اللہ تعالیٰ ایک جانب غنی کو حاجت ثروت بنا کر اس سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنی ثروت کو تنہا اپنی ملکیت نہ سمجھے بلکہ ''انفرادی ملکیت کے باوجود یہ یقین رکھے کہ وہ جس قدر زیادہ کمائے گا اسی قدر اس کی دولت پر اجتماعی حقوق زیادہ عائد ہوں گے، اس لیے کہ وہ صرف اپنے لیے نہیں کماتا بلکہ جماعت کے دوسرے افراد کے لیے بھی کماتا ہے''۔(۴۲)

احتکار و اکتناز: اس اصول کے تحت مولانا تحریر کرتے ہیں کہ دولت اور سرمایہ داروں کے وہ اصول قطعاً ناقابل تسلیم ہیں جن میں احتکار اور اکتناز کی کوئی صورت بھی بن سکے اور ان سے دولت و کنز پھیلنے اور تقسیم ہونے کے بجائے سمٹ کر خاص حلقوں اور مخصوص طبقوں میں محدود ہو جائے اور اس طرح وہ عام انسانی زندگی کو مفلوک الحال بنادے، اس سلسلہ میں مولانا نے سورۂ حشر، سورہ توبہ اور سورہ بقرہ کی آیات پیش کر کے بتایا ہے کہ ان میں ادائے زکوٰۃ و صدقات اور انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دیا گیا ہے اور قرآن میں ایک بہت بڑا ذخیرہ ان ہی احکام کی تفصیلات پر مبنی ہے اور ان سب کی روح یہ ہے کہ دولت و ثروت جمع و ذخیرہ کے لیے نہیں ہے بلکہ صرف و خرچ کے لیے ہے اور اس کا مصرف ذاتی و انفرادی کی بجائے انفرادی و اجتماعی ضروریات کی کفالت ہے۔

اسی وجہ سے جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ جس مال سے زکوٰۃ اور دوسرے مالی فرائض ادا نہ کیے گئے ہوں تو وہ مال احتکار و اکتناز کی فہرست میں شامل اور کنز سے متعلق وعید کا مصداق ہے اور اس قسم کی دولت و ثروت کا نام ''سرمایہ داری'' ہے نیز ان آیات زکوٰۃ و صدقات اور منع اکتناز و احتکار کے علاوہ آیات میراث اور قانون وراثت بھی اسی حکمت پر مبنی ہیں کہ دولت و ثروت ''جمع و ذخیرہ'' کے لیے نہیں ہے بلکہ تقسیم اور پھیلنے کے لیے ہے تاکہ اس کا افادہ زیادہ سے زیادہ ہو سکے۔(۴۴)

فاسد نظام معیشت کا انسداد: مولانا نے لکھا ہے کہ خرید و فروخت اور لین دین کے معاملات میں ہر وہ معاملہ ناجائز ہے جس سے فاسد نظام معیشت بروئے کار آئے یا اس کو کسی قسم کی بھی اعانت پہنچے یا محنت اور معیشت کے لیے جائز جدوجہد بے حقیقت ہو کر رہ جائے اور اس طرح محنت اور سرمائے کے درمیان اعتدال اور توازن باقی نہ رہے۔

اس سلسلہ میں شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے:

''یہ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کیا اور زمین میں ان کی

معاشِ حیات کے لیے سب کچھ سامان فراہم کر دیا اور ان سب کو سب کے لیے مباح اور عام کر دیا تو ان سے متمتع ہونے میں مخلوقات کے درمیان مزاحمت اور مناقشت شروع ہوگئی تب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جب کوئی شخص سبقت اور پہل کر کے کسی شے کو اپنے قبضہ میں کر لے یا مورث کے قبضہ کی وجہ سے اس کی وراثت میں آ جائے یا ان کے علاوہ ایسے دوسرے طریقوں سے اس کا قبضہ ہو جائے جو اللہ کے نزدیک جائز طریقے قرار پا چکے ہیں تو ایسی صورت میں اب کسی دوسرے شخص کو اس کی مقبوضہ شے میں مزاحمت کا حق نہیں ہے، البتہ دوسرے کی مقبوضہ شے کو حاصل کرنے کا جائز طریقہ یہ ہے کہ خرید وفروخت اور لین دین کے ذریعہ تبادلہ کی شکل پیدا کرے یا معتبر طریقوں سے باہمی رضامندی کا معاملہ اس طرح انجام پائے کہ ہر دو جانب میں اس کے متعلق صحیح علم ہو اور اس معاملہ میں نہ التباس اور دھوکہ کا دخل ہو اور نہ خلط ملط کرنیکی کوشش کی گئی ہو، نیز جبکہ انسان مدنی الطبع واقع ہوتے ہیں تو ان کی معاشی زندگی باہمی تعاون واشتراک کے بغیر ناممکن ہے اس لیے اللہ نے تعاون اور باہمی اشتراک عمل کو واجب کر دیا اور یہ لازم قرار دیا کہ کسی فرد کو بھی ایسے امور سے کنارہ کش ہونے کا حق حاصل نہیں ہے جو تمدن میں دخیل ہیں مگر یہ کہ کسی شخص کو بعض مجبور کن حالات میں ایسا کرنے پر مجبور کر دیں''۔(۴۵)

انفرادی معیشت: مولانا سیوہاروی لکھتے ہیں کہ:

''اسلام کے معاشی نظام میں فرد سے متعلق احکام معیشت کیا ہیں؟ سو عمیق نظر ڈالنے کے بعد تین احکام معلوم ہوتے ہیں: ۱۔کیا کمائیں؟ ۲۔کیا خرچ کریں؟ ۳۔کس پر خرچ کریں یعنی وہ کون سی آمدنی ہے۔جس کو جائز آمدنی کہا جا سکتا ہے اور اس آمدنی میں سے خرچ کیا کرنا چاہیے؟ اور کس پر خرچ کرنا چاہیے''۔(۴۶)

اس سلسلہ میں جو سب سے پہلا زاویہ مولانا نے بیان فرمایا ہے وہ کسب معاش کا بنیادی مسئلہ ہے، کسب معیشت کے سلسلہ میں قرآن واحادیث میں دلائل وشواہد اور ترغیبات موجود ہیں: (سورۂ عنکبوت) واذا قضیت الصلاۃ (سورہ مزمل) وآخرون یضربون۔

احادیث بھی ہیں:

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اطلبو الرزق فی خبایا الارض (۴۷)

حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ تم اپنی روزی زمین کے پوشیدہ خزانوں میں تلاش کرو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

قال عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ لا یقعد احد کم عن طلب الرزق (۴۸)

حضرت عمرؓ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص طلب رزق کی جدو جہد میں پست ہو کر نہ بیٹھ جائے۔

حضرت عمرؓ کے متذکرہ ارشاد کی تشریح کرتے ہوئے شرح احیاء العلوم میں سید مرتضیٰ زبیدی نے لکھا ہے:

ای لا بد للعبد من حرکۃ و مباشرۃ لسبب من اسباب یتحصل بہ طریق الحصول الی الرزق (۴۹)

یعنی ہر انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ جائز اسباب معیشت میں سے کسی سبب اور وسیلہ کو ضرور اختیار کرے کہ جس سے وہ رزق حاصل کر سکے۔

کسب معاش کا بنیادی اصول مولانا نے تحریر کیا کہ انسان حصول رزق اور طلب معاش کے لیے جو طریقہ بھی اختیار کرے لیکن وہ حلال ذریعہ ہو حرام یا ناجائز طریقے سے معاش کو حاصل نہ کرے اور دوسری بات یہ ہے کہ جن طریقوں سے حاصل کیا جائے وہ طیب ہوں۔(۵۰)

اس سلسلہ میں قرآن کی بیشتر آیات شاہد عدل ہیں: یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا (سورہ بقرہ)، فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ (سورہ مائدہ)، وَيُحِلُّ لَهُمُ (سورہ اعراف)، يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ (سورہ مومنون)

یعنی حلال اور طیب کا خیال جملہ اشیا کے استعمال میں کرنا ضروری ہے، نیز اس بات کا بھی خیال رکھنا لازمی ہے کہ جو شے اپنی معیشت کے لیے حاصل کی گئی ہے وہ اپنی ذات میں بھی اور حصول کے طریقوں کو بھی پاک رکھتی اور خیانت نفس سے بچاتی ہو، طیب کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ رشید رضا مصری نے لکھا ہے:

> ”طیب سے مراد وہ اشیا ہیں جن کے ساتھ غیر کا حق متعلق نہ ہو اس لیے کہ نص قرآن نے جن اشیا کو حرام کیا ہے اس کی حرمت تو ذاتی ہے اور اس لیے مضطر کے علاوہ کسی کے لیے ان کا استعمال درست نہیں اور جن اشیا کی حرمت اس شے کی حقیقت

اورذات میں نہیں پائی جاتی بلکہ باہر کے اسباب سے حرمت آتی ہے ان کی ممانعت طیب لے کردی گئی پس جو شے ناحق لی گئی اور صحیح طریقۂ کار سے حاصل نہیں گئی بلکہ ربا، رشوت، قمار، ظلم، غصب، دھوکہ، خیانت اور چوری جیسے ناپاک ذرائع سے حاصل کی گئی وہ بھی حرام ہے اس لیے کہ طیب نہیں ہے پس ہر خبیث شے حرام ہے خواہ وہ خبث باہر کے اسباب وذرائع سے اس میں آیا ہو اور خواہ اس کے اندر موجود ہو جیسا کہ کھانے پینے کی چیزوں میں سڑ کر بدبو آ جانا''۔(۵۱)

قرآن اور ذخیرۂ احادیث میں حرام اور خبیث کی باضابطہ اصناف کا بیان موجود ہے، طوالت کے باعث یہاں تذکرہ نہیں کیا جا رہا ہے۔ مولانا تحریر کرتے ہیں کہ کسب معاش کے بعد دوسرا مسئلہ صرف وخرچ کا ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں تین باتیں پیش کرتے ہیں کیا خرچ کیا جائے؟ کس قدر خرچ کیا جائے؟ اور کن پر خرچ کیا جائے؟ جہاں تک تعلق ہے کہ کس قدر خرچ کیا جائے تو اس کے لیے قرآن و حدیث میں بیشتر اصول وضوابط موجود ہیں، ملاحظہ ہو: کلوا واشربوا (سورہ انعام)، ولاتبذر تبذیراً (سورہ بنی اسرائیل) اسراف اور تبذیر کے حوالہ سے مولانا شبیر احمد عثمانی تحریر کرتے ہیں:

''اور خدا کا دیا ہوا مال فضول بے موقع مت اڑاؤ، فضول خرچی یہ ہے کہ معاصی اور لغویات میں خرچ کیا جائے یا مباحات میں بے سوچے سمجھے اتنا خرچ کر دے جو آگے چل کر ارتکاب حرام کا سبب بنے''۔(۵۲)

صاحب روح المعانی علامہ آلوسی: کلوا من طیبات ما رزقنکم ولاتطغوا کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: لاتطغوا فیہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو جو رزق عطا فرمایا ہے اس میں سرکشی نہ کرو یعنی ناشکری نہ کرو اور مال کو اسراف، غرور اور خدا کی خلاف ورزی اور حقوق واجبہ کے تلف کا ذریعہ نہ بناؤ۔(۵۳) اسی وجہ سے یہ تلقین کی گئی ہے کہ انسان کو اپنی جائز کمائی میں سے خرچ کرنے میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنی چاہیے، علامہ آلوسی نے ایک آیت کی تفسیر کے ذیل میں لکھا ہے:

والظاھر ان الحمراء بالاتفاق مایعم انفاقھم علی انفسھم وانفاقھم علی غیرھا والقوام فی کل ذالك خیر و قد اخرج احمد والطبرانی	اور ظاہر یہ کہ انفاق سے مراد اس جگہ عام ہے خواہ وہ ان کی اپنی ذات پر ہو اور خواہ دوسروں پر اور قوام (توسط) ان سب صورتوں میں خیر ہے اور امام احمد اور طبرانی نے

عن ابی الدرداء عن النبی ﷺ من فقه الرجل رفقه فی معیشه (۵۴)

حضرت ابودرداء سے روایت کی ہے کہ نبیؐ نے فرمایا کہ کسی شخص کی دانائی وفرزانگی میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ اپنی معیشت میں نرمی (اعتدال) اختیار کرے۔

مذکورشواہد کے تناظر میں مولانا حفظ الرحمٰن درج ذیل نتیجہ برآمد کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

۱۔صرفِ مال میں نہ ''اسراف'' درست ہے، نہ ''تبذیر'' اور ''تقتیر'' اور تینوں الفاظ کا مفہوم اسلامی اصطلاح کے مطابق مراد ہے نہ کہ صرف لغوی معنی کے مطابق۔

۲۔میانہ روی ہی معیشت کی عادلانہ راہ ہے اور صالح اجتماعی نظام معیشت کے لیے ایک ذریعہ۔

۳۔فرد چونکہ جسم جماعت کا ایک عضو ہے اس لیے اس کی انفرادی آمدنی پر اجتماعی معیشت کے حقوق بھی عائد ہوتے ہیں اور جس قدر وہ کماتا ہے اسی نسبت سے یہ حقوق اس پر زیادہ ہوتے جاتے ہیں اور اسلامی اصطلاح میں اس کا نام انفاق فی سبیل اللہ ہے۔

۴۔انفرادی معیشت میں اپنی اور اپنے اہل وعیال کی قوت لا یموت اور عورت، لباس اور ضرورت رہائش کے مطابق مکان تمام حقوق سے مقدم اور فرض اولین ہے، دیگر کچھ باتیں یہ ہیں:

(الف) اگر وہ صاحب نصاب ہے تو سب سے پہلے صدقات واجب الزکوۃ وغیرہ کا ادا کرنا اس کے ذمہ فرض ہے گویا اس صورت میں اجتماعی حق انفرادی حق پر مقدم ہے۔

(ب) صدقات واجبہ کی ادا کے باوجود انفرادی مال پر کچھ اور بھی اجتماعی حقوق عائد ہیں، اسی لیے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ارشاد ہے: وفی المال حق سوی الزکوٰۃ، مثلاً اگر بیت المال کا خزانہ ہر شخص کی انفرادی معیشت کے لیے پورا نہ ہو سکے تو خلیفہ پر جبراً اہل دولت سے مال حاصل کر کے اس کمی کو پورا کرسکتا ہے اگر چہ وہ ارباب دولت صدقات واجبہ کی ادا سے سبکدوش ہو چکے ہیں۔

(ج) عام انسانی حالات میں صدقات نافلہ یعنی حقوق ثانوی ایسی حالت میں ادا کیے جائیں کہ اپنے اور اہل وعیال کے لیے مال کا ایک حصہ محفوظ رہے تا کہ وہ مفلس ہو کر نہ رہ جائے۔

(د) خاص حالات انسانی میں ایثار علی النفس اولیٰ اور افضل ہے یعنی اگر انسانی نفوس، ضبط نفس اور صبر کے درجۂ کمال پر فائز ہیں تو انفاق فی سبیل اللہ میں تمام مال کو صرف کر دینا محبوب ہے۔(۵۵)

اجتماعی معاشی نظام مواساۃ کا داعی ہے: مولانا اجتماعی معاشی نظام کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ

''نظام اجتماعی کے مختلف شعبوں میں سے وہ شعبہ جس پر انسان کی جسمانی عبادت اور اس کی بقا کا انحصار ہے معاشیات کا شعبہ ہے اور جبکہ یہ شعبہ بھی مثل دیگر شعبہ ہائے زندگی کے انسان کی دینی اور دنیوی دونوں قسم کی عملی جدوجہد میں بڑی حد تک دخیل ہے تو بلاشبہ یہ شعبہ بھی اجتماعی زندگی کا ایک اہم جز ہے اور اس لیے عقل و فطرت بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ انسانوں کے اجتماعی نظام کی سعادت و فلاح کا بہت کچھ مدار اس کے صالح اور بہتر ہونے پر ہے اجتماعی معاشی نظام اور نظام حکومت میں چولی دامن کا سا تعلق ہے کیونکہ کسی بھی اقتصادی نظام کے صالح اور فاسد ہونے کا حال اس کے وابستہ سوسائٹی کے نظام اور نظام حکومت سے بخوبی آشکارا ہوسکتا ہے مثلاً اگر کسی جماعت یا سوسائٹی میں مذموم سرمایہ دارانہ روح کارفرما ہے تو اس کے نظام حکومت میں ایسا معاشی نظام عالم وجود میں آئے گا جس کے ذریعہ سرمایہ دارانہ اصولوں کی سربلندی، حوصلہ افزائی اور قانونی ذرائع سے ان اصولوں کے لیے ہر قسم کی سہولت وجود پذیر ہوسکے۔ اور اگر اجتماعی زندگی میں اشتراک عمومی (مارکسزم) کا نظریہ جاری وساری ہے تو بلاشبہ اس نظام حکومت وہ معاشی نظام منصہ شہود پر آئے گا جس میں آمدنی و ذرائع آمدنی میں انفرادیت ملکیت کا سد باب کیا گیا ہو اور اگر کسی سوسائٹی کے نظام اجتماعی میں صرف حیات دنیا اور حصول لذات دنیا زندگی کا مقصد وحید قرار پایا گیا ہو تو اس کے نظامِ حکومت میں معاشی نظام کا سنگ بنیاد ایسے فلسفے پر مبنی ہوگا جس میں ''خدا''، ''مذہب'' اور ''حصار'' کے لیے کوئی گنجائش نہ ہو اور بلاشبہ اس معاشی نظام میں طبقاتی جنگ ایک ضروری شے قرار پائے گی اگر جماعت کے نظم اجتماعی کی نہاد، معاشی و معاد دونوں سے وابستہ ہے بلکہ وہ صالح معاشی نظام کی ضرورت ہی اس نظریہ کے ماتحت سمجھتی ہے کہ اس کے بغیر انسان نہ خدا کا سچا فرمانبردار بن سکتا ہے اور نہ مخلوق خدا کا ہمدرد، اور نہ ایسی حالت میں وہ وحدت عام داعی ہوسکتا ہے تو یقیناً اس کے نظام حکومت ایسا معاشی نظام بروئے کار لائے گا جو فلسفیانہ موشگافیوں، خوبصورت معاشی نظریوں اور عملی نظام بڑے بڑے دفاتر اور محکموں اور بجٹ اور اعداد و شمار کی فراوانیوں کی بجائے اپنے اندر مخلوق خدا کی عام خوشحالی، باہمی اخوت و ہمدردی، طبقاتی کشمکش سے گلوخلاصی اور اخلاق کریمانہ کی سربلندی رکھتا اور ان کا کفیل و ضامن بنتا ہو، اسلام نے جس اجتماعی نظام کی بنیاد ڈالی ہے اس میں خوشحالی، اخوت و ہمدردی، مساوات و مواساۃ باہمی کارفرما ہے کیونکہ اسلام کی نظر میں تمام کائنات ذی روح حق معیشت میں مساوی ہے''۔ (۵۶)

غیر مسلموں کا تعاون: عموماً فقہائے اسلام نے اسلامی حکومت سے وابستہ غیر مسلموں کو چار اقسام میں تقسیم کیا ہے:

۱۔حربی ۲۔مستامن ۳۔معاہد ۴۔ذمی،ان کی تفصیلات قرآن وحدیث کے علاوہ کتب فقہ میں موجود ہیں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب بھی یہی تقسیم کرتے ہیں،رہا سوال یہ کہ کیاان کا تعاون کیا جانا چاہیے یا نہیں؟اس سلسلے میں مولانا اشرف علی تھانوی کی تفسیر ''بیان القرآن'' سے ایک اقتباس پیش ہے:

> ''کفار کے ساتھ تین قسم کے معاملے ہوتے ہیں:موالات یعنی دوستی،مداراۃ یعنی ظاہر خوش خلقی،مواساۃ یعنی احسان ونفع رسانی،ان معاملات میں تفصیل یہ ہے کہ موالات (دلی دوستی) تو کسی حال میں جائز نہیں اور مداراہ تین حالتوں سے درست ہے، ایک دفع ضرر کے واسطے دوسرے اس کافر کی مصلحت دینی توقع ہدایت کے واسطے، تیسرے اکرام ضیف کے لیے اور مواساۃ تعاون کا حکم یہ ہے کہ اہل حرب کے ساتھ ناجائز ہے اور غیر اہل حرب کے ساتھ جائز ہے۔اسلامی ریاست میں دو قسم کی رعایا حقوق شہری سے مستفید ہوتی ہیں۔ایک ''مسلم'' یعنی وہ جماعت جس نے اسلام کے مکمل نظام کو قبول کرلیا اور دین الٰہی کے ہر فیصلہ اپنا ایمان بنالیا اور دوسرے (ذمی) یعنی وہ غیر مسلم جماعت جس نے ایمانیات،عبادات اور اخلاقیات دین میں آزادرہ کر اور اسلام سے منحرف ہوکر صرف سیاسی واقتصادی اور معاشرتی امور میں حکومت اسلامیہ اور اس کے قوانین کی پناہ قبول کرلی ہے اور اسلامی طاقت (خلافت) کا مطیع رہنا منظور کرلیا ہے چنانچہ اسلامی قلمرو کی اس جماعت کا تعاون کرنا اسلامی تعلیمات کے مدنظر ضروری ہے''،اس سلسلہ میں مولانا حفظ الرحمٰن نے کتاب الخراج کی درج ذیل عبارت سے استدلال کیا ہے''اور میں یہ طے کرتا ہوں کہ اگر ذمیوں میں سے کوئی ضعف پیری کی وجہ سے ناکارہ ہوجائے یا آفات ارضی وسماوی میں سے کسی آفت میں مبتلا ہوجائے یاان میں سے کوئی مالدار محتاج ہوجائے اور اس کے اہل مذہب اس کو خیرات دینے لگیں تو ایسے تمام اشخاص سے جزیہ معاف ہے اور بیت المال ان کی اور ان کے اہل و عیال کی معاش کا کفیل ہے جب تک وہ دارالاسلام میں مقیم ہیں''۔(۵۸)

اس طرح مولانا نے مختصر الکونین کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ بات جان لینا چاہیے کہ انسانی ضروریات زندگی میں تین چیزیں لازمی ہیں۔ مرد ہو یا عورت سب ہی اس میں برابر ہیں۔ زندگی کی بقا عبادت الٰہی کی طمانیت، بقائے نسل، ان تینوں امور سے وابستہ ہیں، اس لیے خلیفہ کے ذمہ واجب ہے کہ وہ ہر انسان کے لیے خواہ وہ دولتمند ہو یا غریب اور فقیر مرد ہو یا عورت، اس کے حالات و ضروریات کے پیش نظر ان تین چیزوں کے حصول کے لیے ہر قسم کی آسانیاں بہم پہنچائے تا کہ ہر شخص اپنا معاشرتی و معاشی حق پالے، اور وہ تین چیزیں یہ ہیں اول کھانے پینے کی سہولت دوسری لباس کی سہولت خواہ وہ صدق کا ہو یا کنان کا یا سوت کا یا کسی بھی چیز کا ہو، اس لیے کہ یہ دونوں چیزیں انسانی عبادت کے لیے ضروری چیز ہیں۔(۵۹)

مذکورہ شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ ایک فلاحی اور کامیاب نظام قائم کرنے اور اس کو صالح خطوط پر چلانے کے لیے لازمی ہے کہ سربراہ مملکت اپنی قلمرو کے تمام افراد کا خیال رکھے، چاہے ان کا تعلق کسی بھی مذہب و مشرب سے ہو، بلاتفریق رنگ و نسل اور مذہب کے نوع انسانی ضروریات کی تکمیل کی جائے۔

اسلامی معاشیات کا فروغ: مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کے نزدیک تین شعبے معاشیات کے فروغ میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں: ۱۔ زراعت ۲۔ تجارت ۳۔ صنعت و حرفت، نیز حکومت کی من جملہ ذمہ داریوں سے ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ ان تینوں شعبوں کے استحکام کے لیے مؤثر اور مثبت پلیٹ فارم مہیا کرے تا کہ سماج کا ہر فرد ضرورت معاش کو پورا کر سکے۔

زراعت: وسائل معیشت کی توسیع میں زراعت کا بنیادی اور اہم رول ہے، خود قرآن نے بھی نوع انسانیت کی توجہ اس جانب مبذول کرائی ہے۔(سورۂ واقعہ) ''بھلا بتاؤ تم جو کھیتی کرتے ہو اس کو تم پیداوار بناتے ہو یا ہم بناتے ہیں، اگر ہم چاہیں تو اس کو چورا چورا کردیں اور تم باتیں بناتے رہ جاؤ کہ بلاشبہ تم پر تاوان ڈالا گیا، بلکہ ہم تو محروم رہ گئے''۔

اس طرح صاحب مبسوط نے لکھا ہے کہ رسول ؐ نے ایک موقع پر اس کا عملی مظاہرہ کیا ہے:

وازرع رسول اللہ ﷺ بالجرف (۶۰) اور رسول ؐ نے جَرِف میں خود کاشت کی۔

اس طرح کی ایک روایت مسند ابو یعلی میں مذکور ہے:

قال رسول اللہ ﷺ اطلبوا الرزق فی خبایا الارض (۶۱)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ رزق کو زمین کی پہنائیوں میں تلاش کرو۔

علامہ سرخسی کے حوالہ سے مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے لکھا ہے کہ بعض مشائخ حنفیہ کے نزدیک تجارت وصنعت وحرفت سے افضل زراعت ہے۔

''ہمارے بعض مشائخ رحمہم اللہ زراعت کو تجارت سے افضل فرماتے ہیں، اس لیے کہ اس کا نفع عام ہے اور اس کی خیر کثیر ہے اور نبی اکرمؐ کے قول وعمل میں ان رکیک خیال لوگوں کا رد ہے جو کاشت کاری اور فن تعمیر کو برا سمجھتے ہیں''۔(۶۲)

مذکورہ قول سے زراعت کی اہمیت وافادیت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے مگر علامہ بدرالدین عینی نے اپنی مشہور کتاب عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں انتہائی اہم بات لکھی ہے کہ جن ممالک میں تجارت زیادہ فائدہ مند ہو وہاں تجارت کی جائے اور جہاں زراعت مفید ہو وہاں زراعت کو فروغ دیا جائے گا۔

''اور جب یہ بات متعین ہوگئی کہ ان وسائل معیشت کی افضلیت کا منشا نفعِ عام ہے تو پھر یہ ظاہر ہے کہ لوگوں (اہل ملک) کی ضروریات وحاجات کے اختلاف سے ان کی باہمی افضلیت بھی مختلف ہوگی، پس جب باشندگان ملک خام اجناس کے زیادہ محتاج ہوں تو زراعت افضل ہے تاکہ لوگوں کے لیے اس کا نفع عام ہو، اگر کسی جگہ زراعت کے وسائل مفقود ہوں تو وہاں تجارت کو برتری حاصل رہے گی اور اگر کسی ملک کے باشندوں کو قدرتی اور طبعی طور پر زراعت اور تجارت کے مقابلہ میں صنعت کی زیادہ حاجت ہے تو وہاں صنعت وحرفت کو فوقیت ہوگی اور یہی فیصلہ بہتر اور خوب ہے''۔(۶۳)

اس کے علاوہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے حوالہ سے مولانا نے لکھا ہے کہ:

''زراعت، جانوروں کی پرورش، معدنیات، نباتات اور حیوانات کا خشکی اور تری سے حاصل کیا جانا اور نجاری، لوہاری، پارچہ بافی وغیرہ کی صنعتیں یہ اور اس قسم کی وہ تمام چیزیں کہ جن کے طبعی جوہر سے انتفاع مطلوب ہوسکے اصول معاشیات کہلاتی ہیں''۔(۶۴)

وہ جاگیر جو غیر مزروعہ اور بنجر ہیں ان کے متعلق اسلامی تعلیمات کیا ہیں۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے اس سلسلہ میں احادیث وآثار فقہی احکام کی روشنی میں یہ بتایا ہے کہ ایسی زمین جو بنجر ہے قابل کاشت نہیں ہے وہ اس شخص کی ملک ہے جو اسے خلیفہ کی اجازت سے قابل زراعت بنائے۔ مولانا امام ابو یوسف کی کتاب الخراج کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

> ''امام کو چاہیے کہ وہ بنجر زمینوں کو اور غیر مملوکہ لاوارث زمینوں کو جاگیر کے طور پر دے دے (تاکہ وہ مزرعہ بن سکیں) اور اس سلسلہ میں ایسا عمل اختیار کرے جس میں تمام مسلمانوں کی بھلائی اور نفع عام ہو''۔ (۶۵)

اس کے علاوہ مولانا سعید یات فی المعاملات کے حوالہ سے تحریر کرتے ہیں:

> ''فقہا کے نزدیک بنجر زمین، سخت زمین، ریتیلی یا ریت چڑھی ہوئی زمین، پتھریلی زمین، ٹیلے جو آبادی سے دور ہوں، اور جن کا نہ کوئی مالک ہے یا مالک کا پتہ نہیں چلتا، خلاصۂ کلام یہ کہ جو زمین ناکارہ پڑی ہو اور اس کی یہ خرابی قدیم اور عادی ہو تو یہ سب موات ہیں) پس اگر کسی مسلمان یا ذمی (کافر) نے خلیفہ کی اجازت سے اس کو زندہ (قابل زراعت) کرلیا تو وہ زمین اس کی ملکیت ہوجائے گی''۔ (۶۶)

تجارت کا معاشیات کے فروغ میں اہم رول: وسائل معیشت اور توسیع معیشت میں تجارت کے مثبت رول سے سب واقف ہیں، قرآن وحدیث نے تجارت کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے:

فاذا قضیت الصلاۃ .الخ (سورۂ جمعہ)	جب نماز پوری ہوجائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل سے مال (تجارت ورزق) کو تلاش کرو۔
ولا تاکلوا اموالکم ...الخ (سورۂ بقرہ)	اپنے اموال کو آپس میں باطل کی راہ سے نہ کھاؤ بلکہ باہمی رضا کے ساتھ تجارت کی راہ سے نفع حاصل کرو، اے ایمان والو تم خرچ کرو ان پاک چیزوں میں سے جو تم نے کمائی ہیں۔

احادیث میں بھی مذکور ہے کہ امانت دار اور سچے تاجر کا شمار انبیا، صدیقین اور شہدا کے ساتھ ہوگا۔

> ''رسولؐ نے فرمایا کہ سچے اور امانت دار تاجروں کا حشر نبیوں، صدیقوں اور شہدا کے

ساتھ ہوگا‘‘۔(٦٧)

مولانا نے تجارت کے تین بنیادی اصول بتائے ہیں:

۱۔تجارت کے لیے ضروری ہے کہ معاملہ باہمی تعاون کے ذریعہ قائم ہو۔ ۲۔جانبین سے رضامندی بھی تجارت کے درست ہونے کے لیے لازمی عنصر ہے۔ ۳۔اہل معاملہ تجارت کی اہلیت بھی رکھتے ہوں،یعنی عاقل ،بالغ اورممیز ہوں۔ ۴۔معاملہ میں کسی قسم کا دھوکہ،خیانت،ضررونقصان اور معصیت کا دخل نہ ہویعنی ان اشیا کا کاروبار نہ ہوجن کا استعمال شریعت اسلامیہ نے حرام قرار دیا ہے۔

صنعت وحرفت: وسائل معیشت کی توسیع کا تیسرا شعبہ دست کاری اور صنعت وحرفت ہے،اس کے بھی اَن گنت فوائد ہیں اگر معاشرہ میں اس کے نظام کو رائج کردیا جائے تو یقینا معیشت میں مزید ترقی ہوگی۔دست کاری کی اہمیت پر نبی اکرمؐ سے مروی ہے:

> ’’مقدام کہتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی کھانا نہیں ہے اور حضرت داوٗدؑ نبی اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے‘‘۔(٧٣)

اسی طرح ابن حجر نے ’’فتح الباری‘‘ میں مستدرک حاکم کے حوالہ سے نقل کیا ہے:

كان داؤد زرّاً، وكان آدم حراثاً وكان نوح نجاراً وكان ادريس خياطاً وكان موسىٰ داعيًا (٦٨)	داوٗدؑ زرہ بناتے تھے اور آدمؑ کاشتکاری کرتے تھے اور نوحؑ بڑھئی کا کام کرتے تھے اور حضرت ادریس درزی کا پیشہ کرتے تھے اور موسیٰ بکریاں چرانے کا کام کرتے تھے۔

مذکورہ نصوص کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ معیشت کے فروغ میں صنعت وحرفت کا بڑا دخل ہے۔مولانا لکھتے ہیں:

> ’’اسلام سے پہلے عرب کی تجارت کا بہت بڑا تعلق مصر،روم،ایران اور ہندوستان کے ساتھ تھا اور اس کے لیے انہوں نے حسب ذیل مقامات میں منڈیاں قائم کررکھی تھیں‘‘۔

دومۃ الجندل ،مشقر،ہجر،صحار،ریا،شحر،عدن،صنعا،رابیہ ،حضرموت،عکاظ، ذوالمجاز، بصریٰ، اسلامی خلافت نے بھی ان کو باقی رکھی اور جلیل القدر صحابہ نے خود بھی کاروبار کیا اور قرآن عزیز نے

''وَابۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِ اللّٰہِ'' کہہ کراس کواورزیادہ مضبوط بنادیا، مدینہ طیبہ کے مقام سخ میں صدیق اکبرؓ کا کپڑے کا گودام اور کارخانہ تھا۔ حضرت عمرؓ کی تجارت کا تعلق حجاز سے لے کر ایران تک وسیع تھا، حضرت زبیرؓ کی بھی کپڑے کی تجارت تھی اور شام کے ساتھ بیوپار کرتے تھے۔ خاص حجاز میں ''عکاظ'' کی منڈی ۱۲۹ھ تک رہی۔

حضرت عمرو بن العاصؓ اور عمارہؓ بن ولید کا تجارتی کاروبار حبشہ نجاشی اور اس کے اعیان سلطنت کے ساتھ چلتا تھا اور اس طرح بیشتر صحابہ تجارتی کاروبار میں مشغول تھے۔

اسی طرح مدینہ طیبہ میں یہود کی تجارتی منڈیاں اور صنعت وحرفت کے کارخانے تھے، انصارِ مدینہ نے صنعت وحرفت کا کام ان ہی سے سیکھا اور اسلام قبول کرنے کے بعد انہی کے ہاتھ میں یہ کام آ گیا، یہود نے ان کو کپڑا بننا، رنگ سازی، تلواریں، زرہ اور دیگر آلات جنگ نیز کاشتکاری کے آلات بنانا سکھایا۔(۶۹)

مذکورہ عبارت کی روشنی میں یہ عرض کیا جاسکتا ہے کہ کوئی بھی پیشہ یا دستکاری اور ہنرمندی، کسی غیر مسلم سے بھی سیکھی جاسکتی ہے۔ اس کی تاریخ اسلام میں بیشتر شہادتیں موجود ہیں۔ چنانچہ مولانا نے طبری کی کتاب تاریخ الرسول والملوک کے حوالہ سے لکھا ہے کہ فتوحات ہونے لگی اور صحابۂ کرام کے روزینے مقرر کیے گئے تو اس سلسلہ میں ایک رجسٹر تیار کرنے کی تجویز آئی۔ جب حضرت عمرؓ نے صحابہ سے اس بارے میں مشورہ کیا تو ولید بن ہشام نے یہ کہا:

> ''اے امیر المومنین! میں شام رہ آیا ہوں میں نے وہاں کے بادشاہوں کے یہاں دیکھا ہے کہ انہوں نے رجسٹر بنا رکھے ہیں اور لشکریوں کو باقاعدہ درج رجسٹر کر رکھا ہے، آپ بھی روزینہ کے لیے رجسٹر بنوائیں اور لشکریوں کے نام درج رجسٹر کریں، پس حضرت عمرؓ نے ان کی بات منظور کر لی''۔(۷۰)

مذکورہ شواہد کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ معاشرہ میں روزگار کے مواقع فراہم کرنے اور معاشی واقتصادی حالت کو مستحکم کرنے کے لیے ایسے پیشے اور عمل اختیار کیے جاسکتے ہیں جن کی ایجاد غیر مسلموں نے کی ہو۔

مراجع ومصادر

(۱) الرازی، محمد بن ابی بکر الرازی، مختار الصحاح (مترجم پروفیسر عبدالرزاق) دارالاشاعت کراچی ۲۰۰۳ء، ص ۶۴۹۔ (۲) لوئس معلوف، المنجد، (مترجم مفتی شفیع ودیگر علماء دیوبند) دارالاشاعت کراچی ۱۹۹۴ء، ص ۶۹۵۔ (۳) اصفہانی، امام راغب، مفردات القرآن، کتاب العین (مترجم مولانا محمد عبدہ) اسلامی اکادمی لاہور، ج ۲، ص ۱۸۲۔ (۴) قادری، طاہر القادری (پروفیسر) اقتصادیات اسلام (بنیادی تصورات) منہاج القرآن پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۷ء، ص ۴۹۔ (۵) ابن خلدون، عبدالرحمٰن بن محمد بن محمد، (مقدمہ ابن خلدون) دیوان المبتداء والخبر فی تاریخ العرب والبربر ومن عاصرھم من ذوی السلطان الاکبر، دارالفکر بیروت، ۱۴۰۸ھ، ج ۱، ص ۴۷۹۔ (۶) دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ، فرید بک اسٹال لاہور، باب ۲۲، ص ۸۱ (مترجم مولانا عبدالحق حقانی)۔ (۷) کیمائے (سعادت) بحوالہ ڈاکٹر طاہر القادری، اقتصادیات اسلام (بنیادی تصورات ا ص ۵۳۔ (۸) ایضاً، ص ۵۴۔ (۹) ایضاً ص ۵۵۔ (۱۰) ندوی، عبداللہ عباس، قاموس الفاظ القرآن، کتاب القاف، دارالاشاعت کراچی ۲۰۰۳ء، ص ۲۷۳، (مترجم پروفیسر عبدالرزاق)۔ (۱۱) المنجد بحوالہ سابق ص ۸۰۷۔ (۱۲) اقتصادیات اسلام بحوالہ سابق، ص ۵۰۔ (۱۳) مختار الصحاح، مذکورہ بالا، ص ۳۴۷۔ (۱۴) اقتصادیات اسلام، ص ۵۰۔ (۱۵) مرتضیٰ الزبیدی، محمد بن محمد بن عبدالرزاق (م ۱۲۰۵ھ) تاج العروس من جواہر القاموس، ج ۳۰، ص ۴۳۳۔ (۱۶) ایضاً، ۳۰/۴۲۷، ۴۲۸۔ (۱۷) وھبہ الزحیلی، وھبہ بن مصطفی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، دارالفکر، دمشق، ج ۶، ص ۴۱۸۔ (۱۸) عثمانی، محمد تقی، مفتی، بحوث فی قضایا فقیہ معاصر، دارالقلم، دمشق ۱۴۲۴ھ، ص ۷۷۔ (۱۹) ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم بن محمد، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، دارالکتاب اسلامی، ج ۵، ص ۲۷۷۔ (۲۰) ابن عابدین، محمد امین بن عمر، رد المختار علی الدر المختار، دارالفکر بیروت ۱۴۱۲، ج ۴، ص ۵۰۱۔ (۲۱) الکاسانی، ابوبکر بن مسعود، علاء الدین، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ، ج ۷، ص ۳۸۵۔ (۲۲) ایضاً، ج ۲، ص ۲۷۹۔ (۲۳) ابن نجیم، البحر الرائق، شرح کنز الدقائق، ج ۳، ص ۱۶۹۔ (۲۴) عثمانی، محمد تقی، (مفتی) تکملہ فتح الملھم، مکتبہ دارالعلوم کراچی ۲۰۰۹ء، ج ۱، ص ۱۹۹۔ (۲۵) المناوی، محمد المدعو بعبد الرؤف المناوی، فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، مطبع دارالمعرفہ بیروت لبنان ۱۳۹۱، ج ۳، ص ۱۸۱۔ (۲۶) سیوطی جلال الدین (۸۵۹ھ، ۹۱۱ھ)، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ج ۷، ص ۲۲۷۔ (۲۷) البیہقی، ابوبکر احمد بن الحسین بن علی، السنن الکبریٰ، کتاب البیوع، باب الکسب والتجارۃ ومحبتھا والحث علی طلب الرزق۔ (۲۸) قاری

علی بن سلطان، مرقاۃ المصابیح شرح مشکاۃ المصابیح، کتاب البیوع باب الکسب وطلب الحلال ۔ (۲۹) الدر المنثور، محولہ بالا، ج س، ص ۳۵۷۔ (۳۰) النیسا پوری، ابی عبداللہ الحاکم، المستدرك علی الصحیحین، کتاب الاطعمة، مطبع دار النشر والتوزیع، ۱۴۱۷، ج ۴، ص ۲۲۸۔ (۳۱) نجیب آبادی، اکبر شاہ (مولانا) تاریخ اسلام، مکتبہ رحمت دیوبند، بدون سن، ۲۶۰-۲۶۱۔ (۳۲) طاہر القادری، اقتصادیات اسلام، ص ۹۸-۹۹۔ (۳۳) مؤطا امام مالکؒ، کتاب الاستدلال۔ (۳۴) اقتصادیات اسلام، بنیادی تصورات، ص ۱۰۸۔ (۳۵) ایضاً، ص ۱۱۰-۱۱۱۔ (۳۶) ایضاً، ص ۱۱۱۔ (۳۷) سید ہارون، مولانا حفظ الرحمٰن، اسلام کا اقتصادی نظام، ندوۃ المصنّفین اردو بازار جامع مسجد دہلی، ۱۹۰۱ء، ص ۴۲۔ (۳۸) ایضاً، ص ۴۵۔ (۳۹) ایضاً، ص ۴۶۔ (۴۰) ایضاً، ص ۴۹۔ (۴۱) ایضاً، ص ۴۹۔ (۴۲) ایضاً، ص ۵۰۔ (۴۳) ایضاً، ص ۵۱۔ (۴۴) ایضاً، ص ۵۴۔ (۴۵) حجۃ اللہ البالغہ، ج ۲، ص ۲۰۲۔ (۴۶) اسلام کا اقتصادی نظام، ص ۶۱۔ (۴۷) کنز العمال، کتاب البیوع، باب فصل الثانی فی آداب الکسب۔ (۴۸) ایضاً۔ (۴۹) آداب الکسب والمعاش، ص ۶۲۔ (۵۰) اسلام کا اقتصادی نظام، ص ۶۳۔ (۵۱) المنار، ج ۱، ص ۸۷۔ (۵۲) فوائد القرآن، سورۂ بنی اسرائیل، ص ۳۶۸۔ (۵۳) روح المعانی، سورۂ طٰہٰ، ج ۱۶، ص ۲۱۶۔ (۵۴) تفسیر کبیر، ج ۱۹، ص ۴۲۔ (۵۵) اسلام کا اقتصادی نظام، ص ۷۲-۷۳۔ (۵۶) ایضاً، ص ۷۸-۷۹۔ (۵۷) تفصیل دیکھیے: تھانوی، اشرف علی، (مولانا) بیان القرآن، تاج پبلشرز بیری والا باغ، دہلی، ج ۱، سورہ آل عمران، آیت ۲۸۔ (۵۸) اسلام کا اقتصادی نظام، ص ۱۵۱۔ (۵۹) ایضاً، ص ۱۵۲-۱۵۳۔ (۶۰) سرخسی، شمس الدین، کتاب المبسوط، مطبع سعادہ، مصر، ج ۲۳، ص ۱۴۔ (۶۱) علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الہندی، برہان پوری، (م ۹۷۵) کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، کتاب البیوع، الباب الاول فی الکسب، ج ۴، ص ۲۱۔ (۶۲) اسلام کا اقتصادی نظام، ص ۱۶۶، بحوالہ مبسوط، ج ۲۲، ص ۲۔ (۶۳) عینی، علامہ بدرالدین عینی، حنفی، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، مطبع دار الطباعہ، ج ۵، ص ۱۷۱۔ (۶۴) اسلام کا اقتصادی نظام، ص ۱۶۲، بحوالہ حجۃ اللہ البالغہ، ج ۱، ص ۴۳، باب المعاملات۔ (۶۵) ایضاً، ص ۲۱۹، بحوالہ کتاب الخراج، ص ۶۶۔ (۶۶) ایضاً، ص ۲۱۹، بحوالہ سعیدیات فی المعاملات، ص ۳۰۰-۳۰۱۔ (۶۷) سنن ترمذی، ابواب البیوع، باب ماجاء فی التجار وتسجیة النبی ایاھم۔ (۶۸) الدر المنثور، ج ۱، ص ۵۷۔ (۶۹) اسلام کا اقتصادی نظام، ص ۲۵۴۔ (۷۰) ایضاً، ص ۱۴۱، بحوالہ طبری، ج ۵، ص ۲۳۔

اخبار علمیہ

''گستاخی رسولؐ پر سزا کا قانون بنانے کا مطالبہ''

ایک خبر کے مطابق کینیڈا میں سابق بورڈنگ اسکولوں میں قدیم مقامی نسلوں کے بچوں کی ہزاروں قبریں برآمد ہوئیں، اس پر احتجاج کے دوران مظاہرین نے برطانوی بادشاہوں اور رانیوں کے مجسموں کو گرادیا اور ان پر کالک پوت دی تھی۔ موجودہ برطانوی وزیراعظم نے اس عمل کو مجسموں کی توہین و تذلیل قرار دیا اور پارلیمنٹ میں اس کے خلاف دس سال کی سزا کا قانون پیش کیا گیا۔ اس موقع پر آنحضورؐ کی حرمت کا معاملہ اٹھاتے ہوئے رکن اسمبلی نازشاہ نے مطالبہ کیا کہ ہمارے نبیؐ کی شان میں گستاخی پر بھی سزا کا قانون بنایا جائے۔ انہوں نے اپنی پرجوش اور جذباتی تقریر میں کہا کہ جس طرح آپ کو شاہوں کے مجسموں سے پیار ہے اس سے کہیں زیادہ ہم کو اپنے پیغمبر محمدؐ سے عقیدت و محبت ہے۔ اس لیے ہمارے جذبات کا خیال رکھتے ہوئے یورپ میں بار بار شائع ہونے والے توہین آمیز خاکوں کو بند کرایا جائے۔ اس موقع پر نازشاہ نے جارج برناڈ شا کے اس قول کا بھی حوالہ دیا جس میں انہوں نے کہا تھا کہ حضرت محمدؐ نے ایک مذہب کی تبلیغ کی، ایک ریاست کی بنیاد رکھی، اخلاقی ضوابط وضع کیے، متعدد معاشرتی، سیاسی اور تہذیبی اصلاحات کا آغاز کیا، اپنی تعلیمات و ہدایات پر اتباع کے لیے ایک طاقتور اور متحرک معاشرہ کو تیار کیا اور انسانی فکر و عمل میں ایک مکمل انقلاب برپا کیا۔ انہوں نے سوال اٹھایا کہ دوارب مسلمانوں کی دلآزاری پر کیا قانون سازی کی جائے گی؟ ہماری محبوب و مقدس اور محترم ہستی کی تحقیر و تذلیل پر ہمیں جو دلی تکلیف و رنج ہوتا ہے اس کا ازالہ کب کیا جائے گا؟ یاد رکھیں، ایک مسلمان اپنے نبی کو اپنی جان و مال اور عزت سے زیادہ مقدم و محبوب رکھتا ہے۔ (راشٹریہ سہارا، لکھنؤ ایڈیشن ۸/۷/۲۰۲۱ء، ص ۱۲)

''تاریخ ادب اردو، بہار کی تدوین کے منصوبہ کی تکمیل''

محکمہ کابینہ سکریٹریٹ، اردو ڈائرکٹوریٹ، پٹنہ کے زیر اہتمام ابتدا سے تاحال بہار کی اردو ادب کی تاریخ تین جلدوں میں مدون کرنے کا منصوبہ بنایا گیا ہے۔ اس کے ڈائریکٹر احمد محمود ہیں۔

اس سلسلہ کی تیسری نشست اردو مشاورتی کمیٹی کے سابق صدر شفیع مشہدی کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ رپورٹ کے مطابق پہلی جلد میں ابتدا سے ۱۹۱۴ء تک کی اردو ادب کی تاریخ مرتب کرنے کا منصوبہ تھا اور یہ پروفیسر جاوید حیات کے ذمہ تھا۔ دوسری جلد ۱۹۱۴ء سے تا حال اردو کی نثری اصناف ادب کی تاریخ پر مشتمل تھی اور اس کی ذمہ داری پروفیسر اعجاز علی ارشد کو دی گئی تھی۔ ۱۹۱۴ء سے اب تک شعری اصناف کی تاریخ پر مشتمل تیسری جلد کی ترتیب و تدوین پروفیسر علیم اللہ حالی کے سپرد تھی۔ ان تمام ہی حضرات سے ۳۱/اگست ۲۰۲۱ء تک مذکورہ تینوں مسودوں کو اردو ڈائرکٹوریٹ کو دستیاب کرانے کی گزارش کی گئی تھی تا کہ ان کی طباعت دسمبر ۲۱ء سے قبل مکمل کی جا سکے۔ تاہم اس نشست میں پروفیسر جاوید حیات عارضہ قلب کے سبب شریک نہ ہو سکے۔ پروفیسر علیم اللہ حالی اور پروفیسر اعجاز علی ارشد نے بتایا کہ کرونا کے سبب اس منصوبہ میں کوئی خاص پیش رفت نہ ہو سکی۔ چنانچہ آپسی مشورہ سے طے شدہ مدت میں ۳۰ نومبر ۲۱ء تک توسیع کی گئی ہے اور ایک ماہ کے بعد پھر احتسابی نشست منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ اس نشست کے صدر شفیع مشہدی نے تاریخ اردو ادب بہار کی ترتیب کو ایک بڑا کارنامہ بتاتے ہوئے اس کی معیاری، مستند اور بروقت تدوین پر زور دیا ہے۔ (پندار، پٹنہ ۷/۷/۲۰۲۱ء، ص ۳)

”مریخ کی پراسرار قطبی روشنیوں کی تصویر“

متحدہ عرب امارات نے تقریباً ایک سال قبل مریخ پر اپنا پہلا خلائی جہاز روانہ کیا تھا۔ یہ مریخ پر اترنے کے بجائے اس کے گرد مدار کا چکر کاٹ رہا ہے اور اب اس نے مریخی ارورا سے انتہائی خوبصورت تصاویر بھیجی ہیں۔ امید (ہوپ) نامی جہاز ۱۹/جولائی ۲۰۲۰ء کو روانہ کیا گیا تھا جو ۹/فروری ۲۰۲۱ء کو مریخی مدار کی گرفت میں آیا تھا۔ حاصل شدہ تصویروں سے معلوم ہوا ہے کہ ماضی میں سرخ سیارہ گہری فضائی چادر رکھتا تھا جو اربوں سال کے دوران غائب ہوگئی۔ کرۂ ارض پر بھی قطبین پر ارورا عام جنہیں ناردن لائٹس بھی کہا جاتا ہے، دیکھے جا سکتے ہیں۔ جب بلند توانائی والے ذرات زمین سے ٹکراتے ہیں تو وہ دمکنے لگتے ہیں۔ اس میں ارضی مقناطیسی نظام غیر معمولی کردار ادا کرتا ہے لیکن واضح رہے کہ مریخ کا قدرتی مقناطیسی میدان زمین کے جیسا ہرگز نہیں ہے، تاہم سیاراتی ارضیات دانوں کا

کہنا ہے کہ مریخ کا اندرونی قشر (کرسٹ) اب تک مقناطیسیت رکھتا ہے، اب اسے مریخ پر بھی دیکھا گیا ہے جسے ڈسکریٹ ارورا کا نام دیا گیا ہے۔ دھبے نما روشنی کی تصویر مریخی رات کو لی گئی، تاہم دن کی روشنی میں یہ دکھائی نہیں پڑتی۔ یہ ارورا بہت دھیمی روشنی والے ہیں اور دن کی روشنی محسوس کرنے والے جدید ترین آلات اگرچہ دن کی روشنی میں تصویر کشی کے لیے تیار کیے گئے ہیں۔ تاہم یہ "امید" خلائی جہاز الٹراوائلٹ شعاعوں کی بھی تصویر کشی کرسکتا ہے اور اس طرح مریخی ارورا کو تفصیل سے دکھا سکتا ہے۔ اس سے سائنس داں کہہ سکتے ہیں کہ مریخ ایک اہم فضائی غلاف رکھنے والا سیارہ تھا جو اب غیر فضائی اور بے جان ہو چکا ہے۔ واضح رہے کہ اس اماراتی خلائی جہاز امید کی تیاری میں امریکی یونیورسٹی آف کولاراڈو کا خصوصی تعاون شامل ہے۔ (تاثیر، پٹنہ، ۸ جولائی ۲۱ء، ص ۷)

"آبادی پر تعلیم کے فروغ سے قابو پانا ممکن"

راجیہ سبھا رکن وششٹھ نارائن سنگھ نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ آبادی پر قابو تعلیم کے ذریعہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ان کے مطابق ڈاکٹر امبیڈکر نے ۱۹۳۸ء کے اپنے مضمون "پیدائش کنٹرول کی تدابیر" میں آخر میں اس بات پر خاص توجہ دلائی ہے کہ بغیر تعلیم آبادی پر کنٹرول ناممکن ہے۔ بہت سی ریاستوں راجستھان، مدھیہ پردیش، مہاراشٹر اور گجرات وغیرہ نے آبادی کنٹرول پر قانون بنا کر اپنے یہاں ان کو نافذ کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہیں۔ چین کے طرز پر آبادی کنٹرول کرنے کا قانون بنانے کا مطالبہ اور وزیر اعظم سے اس پر قانون لانے کی وکالت کی گئی تھی لیکن گذشتہ چند سالوں میں چین نے وَن چائلڈ پالیسی کو تھری چائلڈ پالیسی میں بدل دیا۔ ان کا کہنا ہے کہ ہندوستان میں شرح خواندگی میں اضافہ کے ساتھ فرٹیلیٹی شرح میں کمی درج کی گئی ہے۔ ۲۰۰۰ء میں یہ ۳ء۲ تھی اور ۲۰۱۶ء میں گھٹ کر ۴ء۲ پر آگئی۔ ۱۹۹۰ء میں آبادی میں اضافہ کی شرح ۷ء۲ فیصد تھی جو ۲۰۱۹ء میں ایک فیصد پر آچکی ہے۔ چین کے علاوہ ایران، سنگاپور، ویتنام، برطانیہ اور ہانک کانگ سمیت کئی ممالک میں دو بچوں کی پالیسی نافذ کی لیکن بعد میں انہیں پالیسی بدلنا پڑا۔ (پندار، پٹنہ ۱۷/ جولائی ۲۰۲۱ء، ص ۳)

(ک۔ص، اصلاحی)

معارف کی ڈاک

مکتوب بنگلہ دیش

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے آپ حضرات خیریت سے ہوں گے، اللہ تعالیٰ آپ سب کو دین وایمان اور صحت و عافیت کے ساتھ رکھے، میں بندہ زبیر احمد مکتبۃ الاتحاد، بنگلہ بازار، ڈھاکہ، بنگلہ دیش کے انٹرنیشنل کمیونکیشن کے کو-آرڈینیٹر کی حیثیت سے آپ کو یہ خط لکھ رہا ہوں۔ کچھ دن پہلے آپ سے براہ راست گفتگو ہوئی تھی، اس دوران آپ نے دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی کی طرف سے تصنیفات اور کتب کو بنگلہ زبان میں ترجمہ کرنے کی لفظاً اجازت دی تھی، لیکن چوں کہ ہم نے تحریری اجازت کی درخواست کی تھی تو آپ نے ہمیں ایک درخواست لکھنے کا مشورہ دیا تھا، اسی کی تعمیل میں میں یہ درخواست لکھ رہا ہوں، مکتبۃ الاتحاد کے جنرل منیجر مفتی مولانا محمد اسحاق صاحب کی طرف سے کچھ معروضات وگزارشات کے ساتھ میں آپ سے یہ مؤدبانہ گزارش کرتا ہوں کہ دارالمصنّفین کی شائع کردہ تاریخ ساز کتاب سیر الصحابہ کا بنگلہ زبان میں ترجمہ اور شائع کرنے کی اجازت دی جائے، ہماری جانب سے کچھ باتیں درج ذیل ہیں:

۱۔ اللہ کے فضل وکرم سے دین کی اشاعت کے لیے ہم، علمائے کرام ومصنّفین کی کتابوں کو اپنے ہم وطنوں تک پہنچانے کے لیے عرصہ دراز سے کام کررہے ہیں، وتعاونوا علی البر والتقویٰ کے تحت مدر پبلیکیشن کے ساتھ رابطہ کرنا، ان سے تحریری اجازت لینا اور حسب استطاعت مالی تعاون کرنا اپنا ادبی فریضہ سمجھتے ہیں، سیر الصحابہؓ پر کام شروع کرنے کے سلسلے میں بھی آپ سے رابطہ کی بہت کوشش کی، ہم اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور آپ کے مشکور وممنون ہیں کہ آپ نے ہم سے رابطہ کیا۔

۲۔ اس دفعہ ہم سیر الصحابہؓ پر کام کررہے ہیں، اس لیے اجازت نامہ کے اوپر خصوصاً اس کتاب کا نام لیا جائے تو مہربانی ہوگی، انشاء اللہ جیسے جیسے ہمارا کام آگے بڑھتا جائے گا ہم آپ سے اجازت نامے لیتے رہیں گے۔

۳۔ جہاں تک مالی معاونت کا ذکر ہے تو دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی جیسے تاریخی اور ملی اثاثہ کو مضبوط کرنے کے لیے ہم آپ سے انٹرنیشنل منی ٹرانسفر کے حوالے سے بینک اکاؤنٹ کا مطالبہ کرتے

ہیں، ہم حسب استطاعت آپ کے اکاؤنٹ میں ہدیہ بھیجتے رہیں گے، اللہ نے چاہا تو وبا ختم ہونے کے بعد میرا سفر بھی ہوسکتا ہے، اس وقت بھی آپ کی صحبت میں حاضری دے کر ہدیہ پیش کرنے کا خصوصی ارادہ رکھتے ہیں۔

آخر میں گزارش ہے کہ دین کی اشاعت اور اسلامی افکار کی تصحیح لوگوں میں عام کرنے کے لیے دارالمصنّفین کی کتب اور خاص طور پر سیر الصحابہؓ کو بنگلہ زبان میں ترجمہ کرنے کی تحریری اجازت دی جائے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ اور ہم سب کا حامی وناصر ہو۔

انجینئر حافظ مولانا زبیر احمد

مکتبۃ الاتحاد، ڈھاکہ، بنگلہ دیش

مکتوب بھدوہی

۹؍جولائی ۲۰۲۱ء

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

جولائی کے شمارہ میں جناب مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی صاحب کا مکتوب پیش نظر ہے، انہوں نے صحیح سمت توجہ دلائی ہے اور اچھی بات ہے کہ آپ نے اس پر عمل بھی کیا، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے۔ ویسے سب سے بہتر طریقہ تو پرانا تھا یعنی ہر صفحے کے نیچے ہی حاشیے ہوتے تھے، علمی و تحقیقی مقالات کے لیے یہی بہتر طریقہ ہے، کیونکہ آخر میں حاشیہ ہونے سے اگر بیچ میں عبارت میں اصلاح کی گئی جس میں حاشیہ والا جملہ قلم زد ہوا اور خود حاشیہ قلم زد نہیں ہوا تو بعد کے تمام حواشی پر اس کا اثر پڑ گیا ہے، یعنی عبارت کے حوالے غلط ہوگئے، اس کی کئی مثالیں ہیں، ایسا تب بھی ہوا ہے جب کوئی حاشیہ درمیان سے چھوٹ گیا ہے۔

مولانا کاندھلوی صاحب نے سید صاحب کے دور میں شاہ عبدالعزیز کا ایک ایک اہم مکتوب اپنے یہاں ذخیرہ سے شائع کروایا تھا، جس میں ان کے یہاں سال میں محافل ربیع الاول ومحرم کے انعقاد کے معمول کا ذکر تھا، تفسیر عزیزی شاہ عبدالقادر کے ترجمہ قرآن کے حاشیہ پر بھی چھپی ہے۔

والسلام

شاہ ظفر الیقین

گیانپور، بھدوہی

آثار علمیہ و تاریخیہ

علامہ شبلی بنام امیر مینائی

(ایک غیر مطبوعہ خط)

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

امیر احمد امیر مینائی [۱۸۲۹۔۱۹۰۰ء] اردو شاعری کے اخیر دور کے ایک تاجدار تھے۔ ان کا تعلق مخدوم شاہ مینا کے خانوادے سے تھا۔ ۲۱ رفروری ۱۸۲۹ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ یہیں ان کی تعلیم و تربیت بھی ہوئی۔ شعروادب سے دلچسپی بچپن سے تھی اور تاحیات قائم رہی۔ شعروادب کے ساتھ طب، علم جفر اور علم نجوم سے بھی واقف تھے۔ شاعری میں اپنے معاصرین سے اعلانیہ ممتاز تھے۔

۱۸۵۲ء میں واجد علی شاہ [۱۸۲۲۔۱۸۸۷ء] کے دربار سے وابستہ ہوئے، پھر رام پور چلے گئے اور ۴۳ برس وہاں شعروشاعری اور تصنیف و تالیف میں زندگی بسر کی۔ آخر میں نواب مرزا داغ [۱۸۳۱۔۱۹۰۵ء] کے کہنے پر حیدرآباد چلے گئے اور پھر وہیں ۱۲ /اکتوبر ۱۹۰۰ء کو شعروادب کا یہ نیر تاباں غروب ہوگیا۔

متعدد دواوین اور نثری تصنیفات و تالیفات ان کی یادگار ہیں، لیکن ان کا ایک بڑا اور قابل فخر کارنامہ "امیر اللغات" کی تدوین ہے، جو اگرچہ نامکمل رہی، تاہم اس کی دونوں جلدوں کو دیکھنے سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ انتہائی بلند معیار پر یہ کام ہورہا تھا۔ افسوس امیر مینائی اس کی ناتمامی کا داغ اپنے ساتھ لے گئے۔

علامہ شبلی نعمانی [۱۸۵۷۔۱۹۱۴ء] سے ان کے مراسم کی تفصیل کہیں دستیاب نہیں ہوئی، علامہ شبلی کا زیر نظر غیر مطبوعہ مکتوب حال ہی میں امیر مینائی کے پوتے جناب اسرائیل مینائی صاحب مقیم کراچی جن کی عمر اس وقت ۹۴ سال ہے۔ اللہ ان کی عمر میں برکت دے۔ ان سے ہمارے لائق دوست اور ممتاز مصنف و محقق جناب محمد راشد شیخ کو ملا ہے، جسے قدردانان شبلی و امیر کی نذر کیا جاتا ہے۔

جناب من! تسلیم۔

نامہ مبارک ورود فرما کر میری عزت افزائی کا باعث ہوا۔ میں ابتک ضعف میں مبتلا ہوں۔ گرچہ ممکن ہے کہ امیر اللغات کے متعلق اپنے خیالات منفرداً عرض کروں۔ لیکن سید صاحب سے کچھ

رفیق اعزازی دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ۔ موبائل: +91 9838573645

مشورت اور مباحثہ کے بعد کچھ لکھنا زیادہ مناسب نہ ہوگا۔ جو عظیم الشان قومی کام آپ نے شروع کیا ہے، ملک کو عموماً اس کی نسبت ہمدردی ہے، بلکہ سچ یہ ہے کہ عام طور پر لوگوں کو اس ابدی احسان کا اعتراف ہے۔ امیر اللغات کا نمونہ مطبوعہ مجھ کو عنایت ہو کہ اس وقت غور سے دیکھنے کا موقع حاصل ہے۔

اگر آپ معاف فرمائیں تو میں یہ عرض کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ ٹکٹ جو نامہ مبارک پر چسپاں ہوتا ہے اس عقیدت اور نیازمندی میں کمی کا باعث ہوتا ہے جو مجھ کو آپ کے ساتھ ہے۔ امید ہے کہ آیندہ اس عطیہ سے محروم رہوں۔

میں تعطیل کی وجہ سے مکان پر ہوں لیکن مصمم قصد ہے کہ اس تعطیل کے چندروز رام پور میں بسر کروں، اس طرح پر شرف قدم بوسی کا موقع بھی حاصل ہوگا، غالباً اکتوبر کے مہینہ میں رام پور پہنچوں۔

شبلی نعمانی

۳۰/اگست ۱۸۹۱ء

یہ خط امیر مینائی کے ایک مکتوب کے جواب میں علامہ شبلی نے لکھا ہے، جو انہوں نے ''امیر اللغات'' جلد اول کی اشاعت کے بعد غالباً تقریظ کے سلسلہ میں لکھا تھا اور جیسا کہ مکتوب شبلی سے واضح ہے کہ وہ سرسید احمد خاں [۱۸۱۷-۱۸۹۸ء] سے بھی تقریظ کے خواہش مند تھے۔ ''امیر اللغات'' جلد دوم میں متعدد اہل علم وکمال کے آرا وخیالات اور تقریظات شامل ہیں۔ ان میں سرفہرست سرسید احمد خاں کی تحریر ہے اور انہوں نے جلد اول کی اشاعت پر امیر مینائی کی بھرپور ستائش کی ہے۔ البتہ اس میں علامہ شبلی کی کوئی تحریر شامل نہیں ہے۔ غالباً وہ نہیں لکھ سکے۔

امیر مینائی کی وفات کے برسوں بعد ان کے ایک لائق شاگرد مولوی احسن اللہ خاں ثاقب [۱۸۶۳-۱۹۳۵ء] نے ''مکاتیب امیر مینائی'' کو یکجا کیا اور ایک مفصل تبصرہ کے ساتھ ۱۹۱۱ء میں شائع کیا تو اس پر مولانا حالی اور مولانا شبلی نے اپنے خیالات کا اظہار کیا جو کتاب کے اخیر میں درج ہیں اور جس میں علامہ شبلی نے امیر وداغ کو اردو شاعری کے اخیر دور کا تاجدار بتایا ہے۔ اور فاضل مرتب کی تحسین و ستائش کی ہے اور اس بات کے لئے خاص طور پر داددی ہے کہ انہوں نے امیر مینائی کی شاعری کے تجزیے میں حقوق استاذی بھی نظرانداز کردیے ہیں۔ (مکاتیب امیر مینائی ص ۲۶۸) لیکن خود علامہ شبلی نعمانی کے درج بالا مکتوب سے امیر مینائی سے ان کی نیازمندی اور ادب واحترام کا اظہار ہوتا ہے۔

ادبیات

تاریخ درگذشت
پروفسور ابوالکلام قاسمی

ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی☆

قاسمی رفت از جھان می گویند | داستان المش دوستان می گویند
گویند کہ شش ماہ بہ بستر بودہ | امروز بہ گور شد چناں می گویند
مردِ سخن و مردِ قلم بودہ او | در نقدِ ادب بود ''نشاں'' می گویند
تحریرش بہ شھر شھر بر می خوانند | تقریرش بہ زبان زبان می گویند
خوانند کتابھایش در ھر جائے | مدحش پیروھم جوان می گویند
خواہ عامی و خواہ دانش گاھی | ھمہ از روی سخنان می گویند
ذکرش بہ ھمہ نقاط کشور دانند | وصف او جھان جھان می گویند
خوبی ھایش شھان کنند گدّائی چند | راست گویان عیان عیان می گویند
حرفش دارد از آں پایہ بلند | ضدّش آنچہ خود سران می گویند
سال فوتش رئیس از روی عدد | چوں بجستم کہ دوستان می گویند
باسرِ ''کن'' بگفت ھاتفِ غیب | ''اللّٰھم اغفرلہ'' داعیان می گویند

۱۴۴۲ = ۲۰ + ۱۴۲۲ (۲۰۲۱ء)

غزل

جناب جمیل مانوی☆☆

دردِ دل، جس کو ہر اک غم کی دوا کہتے ہیں | ہم اُسے تیری محبت کی عطا کہتے ہیں
آپ کیوں عرضِ تمنا کو گلا کہتے ہیں | درد کو درد نہیں کہتے، تو کیا کہتے ہیں
سامنے آ، کہ تجھے دیکھ سکوں، چھو بھی سکوں | جو دکھائی نہ دے، کیا اس کو خدا کہتے ہیں
جو رخِ گیتی پہ تاروں کی طرح روشن ہیں | اہل دل ان کو چراغِ کفِ پا کہتے ہیں
انھی تابندہ روایات کا وارث ہوں میں | جن کو تہذیب کے چہرے کی ضیا کہتے ہیں
فکر، اقدار کے سانچے بھی بدل دیتی ہے | بے حیائی کو بھی اب لوگ حیا کہتے ہیں
ان سے کیا دل کی تباہی کی شکایت کرتے | اہل دنیا جو محبت کو خطا کہتے ہیں
شکر بہتر ہے شکایت سے، مگر کیا کیجے | آنکھیں بھر آتی ہیں جب حرفِ دعا کہتے ہیں
مرحلہ سخت سہی، جان کا نقصان سہی | بادِ صرصر کو کہیں بادِ صبا کہتے ہیں
یہ نہیں جانتی دنیا کہ اسیرانِ وفا | رسن و دار کو جینے کی ادا کہتے ہیں
زندگی جہدِ مسلسل سے عبارت ہے جمیل | سہل انگار اسے برگِ حنا کہتے ہیں

☆نعمانی منزل، مکان نمبر ۱۴/۰۴۷، جے-۲۴، نزد ابوہریرہ مسجد، ہمدرد نگر، بی-جمال پور، علی گڑھ۔☆☆سہارن پور، دیوبند۔

وفیات

ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب مرحوم

(۱۹۳۱-۲۰۲۱ء)

افسوس کہ اردو کے قابل احترام محقق، نقاد، ادیب اور شاعر ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب قریب نوّے سال کی عمر میں اس دنیائے فانی سے رخصت ہوگئے، پیدا کرنے والے نے عمر کی نعمت میں کمی نہیں کی اور پیدا ہونے والے نے بھی اس نعمت کی قدر میں کوتاہی نہیں برتی، بریلی اپنی بعض چیزوں کے لیے مشہور ہے، محاوروں میں بھی شامل ہے، لیکن بریلی کی خاک میں ادب، شاعری، تحقیق وتنقید کا اپنا خاص اثر اور رنگ ہے، مذہب میں بھی ہے اور یہ کم شوخ اور تیکھا نہیں ہے، جس خطہ سے اس شہر یا ضلع کا تعلق ہے وہ قدیم زمانہ سے تہذیب کی روایات علم اور علم دونوں کا حامل رہا ہے، بچپن میں تذکرہ شاعرات بریلی کی ایک ضخیم جلد دیکھ کر کسی مقدس صحیفہ کا گمان ہوتا تھا، بعد میں اس گمان کو یقین میں بدلنے کی وجہ ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب کی خاموش لیکن نہایت خوش طریق کی شخصیت اور اس سے زیادہ ان کی تحریروں کی شرافت وشائستگی اور حرمت قلم بنی۔

۱۰ رجون ۱۹۳۱ء میں انہوں نے ایسے خانوادہ سے زندگی کا سفر شروع کیا جو دین داری اور علم دوستی کی وجہ سے معروف ومعزز تھا، والد سید اختر حسین ریلوے میں ملازم تھے، دادا سید احمد حسن شاہ سلسلہ تصوف سے وابستہ اور فارسی زبان کے استاذ تھے اور اصلاً وہی ادیب صاحب کے مربی ومعلم تھے، تعلیم کے مراحل طے ہوتے رہے، ۱۹۵۷ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری گویا تعلیم کی آخری منزل تھی، انہوں نے ''رتن ناتھ سرشار اور ان کی ادبی خدمات'' پر تحقیقی مقالہ لکھ کر یہ سند حاصل کی، حالات اور والد کی خواہش پر وہ ریلوے کے محکمہ اکاؤنٹس سے وابستہ ہوکر ۱۹۸۹ء میں سبکدوش ہوئے، ملازمت کی مشقت اپنی جگہ تھی لیکن مطالعہ ومضمون نگاری کی محنت بہر حال جاری رہی، نتیجہ یہ ہوا کہ بڑوں کی توجہ ملی، جناب امتیاز علی عرشی کی حوصلہ افزائی سے بریلی کے شعرا کا تذکرہ ان کی تحقیق کا خاص موضوع ہوا اور پھر کتاب چند شعرائے بریلی کی اشاعت کا سبب بھی بنا، عرشی صاحب نے تعریف میں کہا کہ ایسی دل جمعی اور محنت سے کام کرنے والے ہم میں کتنے ہیں، جگر بریلوی نے یہ کہہ کر داد دی کہ اختصار، بلاغت کی جان ہے، آپ کا ایک ایک جملہ اس کی روشن دلیل ہے، ان ہی شام موہن لال جگر پر بھی ادیب صاحب

نے ایک کتاب لکھی، جگر کے ایک شاگرد ناشاد کان پوری پر بھی کتاب لکھی لیکن اصل شہرت کا سبب کتاب چند شعرائے بریلی ہوئی، اسی کتاب کی برکت سے تذکرہ نعت گویان بریلی بھی شائع ہوئی، یہ کتاب دس سال میں پوری ہوئی، خیال یہی تھا کہ بریلی کی ادبی حیثیت کو متعارف کرانے میں یہ کتاب گویا چند شعرائے بریلی ہی کا حصہ ہوگی مگر نعتیہ شاعری کا جب ورق کھلا تو نعتیہ غزلیات، قصائد، مثنویات، خمسہ جات، سلام وغیرہ کا ایک سرمایہ ہاتھ آیا، ادیب صاحب نے طوالت کے خوف سے صرف نعتیہ غزلیات کا انتخاب کیا اور انتخاب ہی پیش کیا، لیکن ان کی محنت کا اندازہ ان کے ان الفاظ سے کیا جاسکتا ہے کہ قطرہ قطرہ معلومات جمع کرکے جس طرح کوزہ بھرا وہ میرا دل ہی جانتا ہے۔ ان کی محنت اور دیدہ ریزی نے ان کی کتابوں کی تعداد میں اضافہ تو نہیں کیا لیکن ان کے ہر مضمون اور ہر تحریر نے اردو کے بڑوں کو ان کی جانب متوجہ کیا اور داد وستائش پر مجبور بھی کیا، ابھی چند مہینوں پہلے معارف کے لیے ان کی نئی کتاب تذکرہ شعرائے بریلی آئی، اس کے دیباچہ میں انہوں نے لکھا کہ شعرائے بریلی کے سلسلہ کی یہ آخری کتاب ہے، کسے معلوم تھا کہ یہ ان کے بے مثال علمی سفر کی بھی آخری منزل ہے، اس سفر کا ایک مقصد تھا جس کی کامیابی کا انہیں یہ احساس تھا کہ "اب یہ امید بے جا نہیں کہ روہیل کھنڈ اور اضلاع روہیل کھنڈ کی تاریخ اور ادب کی بازیافت کا مقصد پورا ہوجائے گا"۔ معارف کے لیے مایہ افتخار بات یہی ہے کہ ادیب صاحب کے مقالات ومضامین کا بڑا حصہ معارف کے صفحات کی زینت بنا، ۶۴ء سے یہ قلمی رشتہ شروع ہوا تو اب تک وہ استوار ہی رہا، ان کے خطوط بھی شائع ہوتے رہے، ان کو دیکھا تو نہیں کہ شاید لن ترانی کا معاملہ تھا لیکن برادرم شمس بدایونی کی محبت نے ان سے ہم کلام ہونے کا شرف ضرور عطا کیا، شمس صاحب ان کی اکثر کتابوں کی اشاعت کے محرک ہوئے لیکن خود ان کی تحقیقی صلاحیت کا ایک سبب ادیب صاحب تھے جو شمس بدایونی صاحب کے مربی ہی نہیں ان کے خسر محترم بھی تھے۔ تعزیت کے وہ اولین مستحق ہیں اور دیکھا جائے تو اردو دنیا کے ہم سب باشندے بھی تعزیت کے لائق ہیں، اللہ تعالیٰ ادیب صاحب کی مغفرت فرمائے اور ایک نہایت پاکیزہ روح کو فردوس بریں میں جگہ عطا فرمائے۔

پروفیسر ابوالکلام قاسمی مرحوم

(۱۹۵۰-۲۰۲۱ء)

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں کرونا کی بلا نے جس طرح قوم کے علمی سرچشموں کو خشک کردیا، اس کا ماتم ہوا اور مدتوں ہوتا رہے گا، اب ذرا اطمینان کی سانس بھی نہیں لی گئی تھی کہ پروفیسر ابوالکلام قاسمی

کا وقت سفر طے ہوگیا، وہ سبکدوش ہو چکے تھے لیکن علی گڑھ سے تعلق محض قانونی رفاقت کا نام نہیں، شناخت کے اصل معانی کچھ اور ہی ہوتے ہیں، پروفیسر ابوالکلام قاسمی بہار میں پیدا ہوئے، تعلیم کا سفر شروع ہوا تو مشرق و مغرب کی سمتوں کے ابعاد و حدود کا فرق اور تعین کی پروا کے بغیر دیوبند کے درجات فضیلت، جامعہ ملیہ اسلامیہ کی سند اور طاق حرم میں روشن شمع کے علی گڑھی جلوؤں میں پروفیسر قاسمی کی زندگی روشنیوں کے مرحلے طے کرتی گئی۔ وقت کے نامور اساتذہ سے معمور شعبہ اردو حقیقتاً اردو کے قلعہ معلیٰ کا دیوان خاص بنتا رہا، یبوست زدہ، یکسانیت آمیز اور پیش پا افتادہ زبان و بیان اور موضوعات سے مختلف ہونے کی چاہت بھی دیوان عام کو خاص بنانے میں ایک الگ اثر رکھتی ہے، پروفیسر ابوالکلام قاسمی کی اس چاہت کا اندازہ ان کے رسالہ امروز کے پہلے شمارہ کے پہلے اداریہ کے پہلے اقتباس سے ہوا، ویسے بھی نقادوں کے اپنے معیار، فرق و امتیاز کی جدت و ندرت کے بغیر کچھ محتاج شناخت ہی رہتے ہیں، ابوالکلام قاسمی واقعی نقاد تھے، مشرقی شعریات، شاعری کی تنقید اور تخلیقی تجربہ جیسی کتابیں، ان کے علم و تجربہ کے احترام کا حق بجانب مطالبہ کرتی نظر آتی ہیں، مشرقی شعریات کے مباحث میں ان کی قاسمیت کا رنگ غالب تھا، خصوصاً ''عربی شعریات کی روایت'' ان کے دور اول کے مطالعہ کی سچی گواہ ہے، جب انہوں نے مشرقی شعریات کے نظام افکار میں مغربی افکار کی بالادستی یا تنقید کے خمیر اٹھنے میں مغربی معیار نقد کی بات کی تو صاف ظاہر تھا کہ ادب میں پروپیگنڈہ یا کوری تقلید سے جدیدیت کے معنی اخذ کرنے کے رویہ کو وہ چیلنج کر رہے تھے، انہوں نے شبلی اور حالی کا موازنہ گہرے مطالعہ کے بعد کیا، قاسمی صاحب کا یہ کہنا کہ شبلی حالی کے مقابلہ میں زیادہ مشرقی روایت شعر اور معیار نقد پر انحصار کرتے ہیں، ان کی تنقیدی بصیرت کو اہمیت عطا کرتا ہے، ان کی کتاب شاعری کی تنقید میں ان کے لہجہ میں اور زیادہ اعتماد ہے جب وہ تنقیدی رویوں کو قابل قبول بننے یا بنانے میں شعری متن کے براہ راست مطالعہ کو اصل وثیقہ گردانتے ہیں۔ یہ کتاب ان کے تنقیدی مزاج کی پختگی کی علامت ہے، ان کے تعزیتی ذکر میں اس قسم کی باتوں کی شمولیت کا مقصد صرف یہ ہے کہ اردو تنقید کے ایک صاحب نظر شخصیت کا اٹھ جانا یقیناً اردو کے لیے نقصان و خسارہ کا باعث ہے۔ وہ شبلی کے مداح ناقد تھے، علی گڑھ کے شعبہ اردو میں ان کے پاس بیٹھنے اور ان کی محبت آمیز رویہ سے مسرت کے لمحات سمیٹنے کی توفیق ملی تھی، چہرہ اس وقت بھی پوری طرح کھلا نہیں تھا، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ کسی سخت مرض میں مبتلا ہیں، افسوس کہ اب ان کے علم و قلم سے ادب و تنقید کی کئی وادیاں سونی ہوگئیں، اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔ (ع۔ص)

مطبوعات جدیدہ

میرے مربی میرے محسن مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ از مولانا سراج الدین ندوی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد، صفحات ۲۷۲، قیمت ۲۰۰ روپے، پتہ: ملت پبلی کیشنز، ڈی ۔۴ ۳۴، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی ۔۲۵۔

یہ کتاب ۲۰۱۸ء میں شائع ہوئی، اس وقت تک مولانا علی میاں پر سو سے زیادہ کتابیں اور رسالوں کے خاص نمبر نکل چکے تھے، ایسے میں کچھ نئے پن کی گنجائش کم ہی ہوتی ہے، مگر تاثر و عقیدت کا قلبی اظہار اور اس کے لیے فکری استدلال کا طریقہ یقیناً فرق پیدا کرتا ہے، مصنف ایک اچھے اہل قلم، خصوصاً بچوں کے ادب کے لحاظ سے اس وقت نمایاں لکھنے والوں میں ہیں، ان کو اعتراف ہے کہ ذہن و فکر اور تحریر و تقریر کی ان کی ساری صلاحیت حضرت مولانا ندوی کی زندگی کی مرہون منت ہے، یہ بھی سچائی بیان کی گئی کہ مولانا کی مجلس میں یہ تمنا ہوتی کہ ہمیں بھی اسلام کا داعی بننا ہے، مولانا کے فیضان نظر اور ان کی صحبتوں کے اثر کو انہوں نے جس طرح بیان کیا اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ کتاب سوانح کی مروجہ کتابوں سے الگ ہے، ابواب کئی ہیں جن میں مولانا کی علمی و دینی خدمات اور اقوال و اعمال کو ملکی و قومی پس منظر میں بڑی خوبی سے جمع کیا گیا ہے، مثلاً علمائے دین کی ذمہ داریوں کے سلسلے میں مولانا نے اوصاف علما کے شمار کے بعد فرمایا کہ ان خوبیوں کے بغیر علما اس عہد انقلاب اور دور فتن میں جس میں خود ہماری کمزوری اور جدید واقعات نے علمائے دین کے وقار کو مزید مجروح اور دین و علم پر اعتماد کو متزلزل کر دیا ہے، نیابت انبیاء اور وارثین کتاب کی ذمہ داری ادا نہیں کر سکتے، ایسی کتنی ہی قیمتی تحریریں ہیں، مولانا کے اساتذہ، احباب، تربیت یافتگان، متعلقین اور مختلف میدانوں کے بڑوں کی فہرستوں نے کتاب کو دوسروں سے ممتاز کیا ہے، ایک بڑا حصہ منظومات کا بھی ہے اور متاثر کن ہے۔

حالات اور حاشیے از مولانا عتیق الرحمٰن ندوی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد، صفحات ۴۸۰، قیمت ۳۵۰ روپے، پتہ: جامعہ اسلامیہ، دریاباد، پوسٹ دودھارا، سنت کبیر نگر، یو۔پی ۔۲۷۲۱۲۵۔

اس کتاب کے مصنف کا ذوق شعری زمانۂ طالب علمی ہی سے ان کے شاندار مستقبل کا مبشر بن گیا تھا، لیکن نثر میں بھی ان کے قلم کی شاہراہ شوق اتنی ہموار بلکہ گلزار ہوگی، اس کی خبر پیش نظر کتاب سے ملی، وہ اردو صحافت کے شہسواروں سے والہانہ وابستگی اور فیض یابی پر اس لیے نازاں ہیں کہ کہیں کہیں اس تعلق کا اثر ان کی تحریروں میں بھی نمائندگی کرتا نظر آسکتا ہے، مصنف نے اس خیال کو خوش گمانی سے تعبیر کیا ہے لیکن واقعہ ہے کہ یہ اظہار یقین کی سرحدوں سے پرے نہیں، رسالہ استدراک میں فاضل مصنف خبروں اور حالات حاضرہ کے مسئلوں پر جو اظہار خیال کرتے اس کے دائرے میں تعلیم و

تربیت، مذہب، سیاست، معاشرت، امن عالم، دہشت گردی، ادبیات، رپورتاژ، اسفار اور شخصیات سب ہی کو سمیٹ لیتے، ان سب کی تہہ میں ان بے مثال صحافتوں کے فکر و اسلوب کی توانائی ہے جن کے ناموں کو انہوں نے شروع ہی میں بڑی عقیدت سے شمار کیا ہے، صحافتی تبصروں کی اہمیت اپنی جگہ لیکن عتیق صاحب کے لیے حقیقت یہ ہے کہ وسعت کچھ اور بھی چاہتی ہے، ادبیات اور سفر ناموں میں ان کے قلم کی انگڑائیاں ایسی نہیں کہ مسکرا کے ہاتھ چھوڑ دیں، مثال کے طور پر ان کا سفر نامہ ''دریاباد سے دریاباد تک'' کا نام لیا جا سکتا ہے، دریاباد تو وہی جو مولانا عبدالماجد کا ہے مگر دوسرے دریاباد کے وجود کا انکار کیسے کیا جا سکتا ہے، مولانا مرحوم نے تو کہہ دیا کہ اگر کوئی ہمسر ہوتا تو لکھتا کہ ع: میرا لہو بھی خوب ہے تیری حنا کے بعد، ہمسری ان معنوں میں کہ عتیق دریابادی اس وقت ندوہ کے طالب علم تھے، اب اس کتاب کو مولانا دیکھتے تو شاید لفظ ہمسر کا استعمال کچھ اور ہی ہوتا، اسی طرح ایک اور سفر نامہ کا صرف عنوان ہی ہم سفر بننے کی تمنا جگا دیتا ہے کہ ''سفر کی دھوپ بدن کا غبار باقی رکھ''، کتاب میں مصنف کے بعض دوستوں اور کرم فرماؤں کی تحریریں ہیں، حاشیوں پر لچکے گوٹے کی پھبن لیے ہوئے۔

خوش فکر شاعر۔ شرف الدین ساحل از محمد رفیع الدین، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۳۰۴، قیمت ۱۵۰ روپے، پتہ: ساحل کمپیوٹرس، حیدری روڈ، مومن پورہ، ناگپور۔ ۴۴۰۰۱۸، مہاراشٹر۔

جناب شرف الدین ساحل کا نام و ذکر معارف کے لیے متعارف ہے، ان کے لیے مشہور محقق ڈاکٹر نورالسعید اختر مرحوم نے صحیح لکھا کہ وہ ادب کا بحر اوقیانوس ہیں، دلیل میں وہ کہتے ہیں کہ اس سمندر کی گہرائی کا کوئی اندازہ نہیں اور اس کے ساحلوں تک رسائی بھی جلد اور آسان نہیں، ہوسکتا ہے یہ ایک محقق کا غیر محققانہ غلو ہو لیکن جب جناب ساحل کی کتابوں کی کمیت پر نظر ہو تو مرعوب ہونے کے لیے یہی کافی ہے لیکن کیفیت تو اس کافی کو بھی ناقابل بیان بنا دیتی ہے، نثر و نظم اور ان دونوں کے ذریعہ تحقیق، تنقید، سوانح، تذکرہ، شاعری اور ایک خاص خطہ ارض کی تہذیبی و ثقافتی تاریخ نگاری، ساری موجیں اچھل کر شرمندہ ساحل ہو جاتی ہیں، اشتہاری ذرائع سے پرہیز کرنے میں شاید جرم خود ستائی کا اندیشہ ان کو کم گوئی پر مجبور کرتا ہے لیکن جو جوہر شناس ہیں وہ اصلاً شرف شناس ہیں، اس کتاب میں بیسیوں نہیں پچاسوں اہل علم و دانش کے تاثرات ہیں، شخصیت اور کاوشوں دونوں پر، شاید یہ اوراق پریشاں ہی رہتے لیکن مرتب جو سعادت مند فرزند ساحل بھی ہیں، انہوں نے بڑے سلیقے سے یہ گلدستہ سجایا، ہم کو افسوس ہے کہ ساحل صاحب کی کئی کتابوں کا ذکر ان صفحات میں نہیں آسکا ہے، تنگ دامانی کا شکوہ بھی اس کوتاہی کے لیے جائز نہیں۔ (ع۔ص)

رسید کتب موصولہ

آسودگان خاک: مولانا قاضی اطہر مبارک پوری، مرتب مفتی محمد صادق مبارک پوری، حافظ فاؤنڈیشن، آراضی قصبہ سواد، بحری آباد، ضلع غازی پور قیمت درج نہیں

ایک ہزار الفاظ قرآن: مرتب مفتی سید آصف الدین ندوی قاسمی، قادر باغ، نانل نگر، حیدر آباد قیمت ۱۲۰ روپے

بھولے بسرے صوفی گوی: ڈاکٹر انور حسین خاں، اودھ بھارتی سنستھان، نرولی، حیدر گڑھ، بارہ بنکی قیمت ۱۰۰ روپے

ترجمان القرآن الکریم (اول تا ہفتم): ترجمانی علامہ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، ترتیب احمد ابوسعید، اردو بک ریویو، دریا گنج، نئی دہلی، ہدیہ بالترتیب، منزل بہ منزل ۱۰۰ روپے

غائبانہ ملاقات: ترتیب و تحشیہ پروفیسر مقصود احمد، امرین بک ایجنسی، میونسپل کوارٹرس، نزد کانچ کی مسجد، جمال پور، ایس۔ٹی روڈ، احمد آباد قیمت ۱۷۰ روپے

فتاویٰ دارالعلوم وقف دیوبند: جلد اول، زیر نگرانی ڈاکٹر محمد شکیب قاسمی، حجۃ الاسلام اکیڈمی، دارالعلوم وقف دیوبند قیمت درج نہیں

فتاویٰ دارالعلوم وقف دیوبند: جلد دوم، زیر نگرانی ڈاکٹر محمد شکیب قاسمی، حجۃ الاسلام اکیڈمی، دارالعلوم وقف دیوبند قیمت درج نہیں

کیسے چاہیے سبھیہ پولیس: وبھوتی نارائن رائے، انامیکا پرکاشن تلارام باغ، الہ آباد قیمت ۱۵۰ روپے

متاعِ شمیم: جناب شمیم بارہ بنکوی، دانش محل، امین آباد، لکھنؤ قیمت ۱۰۰ روپے

مشایخ الامام الاعظم: العلامہ الشیخ عبدالستار المعروفی تحقیق الدکتور مسعود احمد الاعظمی، مجلس احیاء المعارف، جامعۃ الصالحات (مالیگاؤں) قیمت ہدیہ

تصانیف علامہ شبلی نعمانیؒ

کتاب	قیمت
سیرۃ النبیؐ جلد اول ودوم (یادگار ایڈیشن)	2000/-
سیرۃ النبیؐ	
(خاص ایڈیشن مکمل سیٹ ۷ جلدیں)	2200/-
علامہ شبلی وسید سلیمان ندوی	
مقدمہ سیرۃ النبیؐ	30/-
الفاروق	350/-
الغزالی	200/-
المامون	175/-
سیرۃ النعمان	300/-
سوانح مولانا روم	220/-
شعر العجم اول	300/-
شعر العجم دوم	150/-
شعر العجم سوم	125/-
شعر العجم چہارم	200/-
شعر العجم پنجم	150/-
الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی	350/-
(محقق ایڈیشن) تحقیق: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی	
الکلام	250/-
علم الکلام	200/-

کتاب		قیمت
موازنہ انیس ودبیر		250/-
اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر		100/-
سفرنامہ روم ومصر وشام		200/-
کلیات شبلی (اردو)		220/-
کلیات شبلی (فارسی)		45/-
مقالات شبلی اول (مذہبی)		170/-
مرتبہ: سید سلیمان ندوی		
مقالات شبلی دوم (ادبی)	〃	70/-
مقالات شبلی سوم (تعلیمی)	〃	80/-
مقالات شبلی چہارم (تنقیدی)	〃	200/-
مقالات شبلی پنجم (سوانحی)	〃	150/-
مقالات شبلی ششم (تاریخی)	〃	90/-
مقالات شبلی ہفتم (فلسفیانہ)	〃	100/-
مقالات شبلی ہشتم (قومی واخباری)	〃	110/-
خطبات شبلی	مرتبہ: عبدالسلام ندوی	150/-
انتخابات شبلی	مرتبہ: سید سلیمان ندوی	45/-
مکاتیب شبلی اول	〃	150/-
مکاتیب شبلی دوم	〃	190/-
اسلام اور مستشرقین چہارم (علامہ شبلی کے مقالات)		250/-

ISSN 0974 - 7346 Ma'arif (Urdu) -Print
AUGUST 2021 Vol - 208 (2)
RNI. 13667/57 MA'ARIF AZM/NP-43/022
Monthly Journal of
Darul Musannefin Shibli Academy
P.O.Box No: 19, Shibli Road, Azamgarh, 276001 U.P. (India)